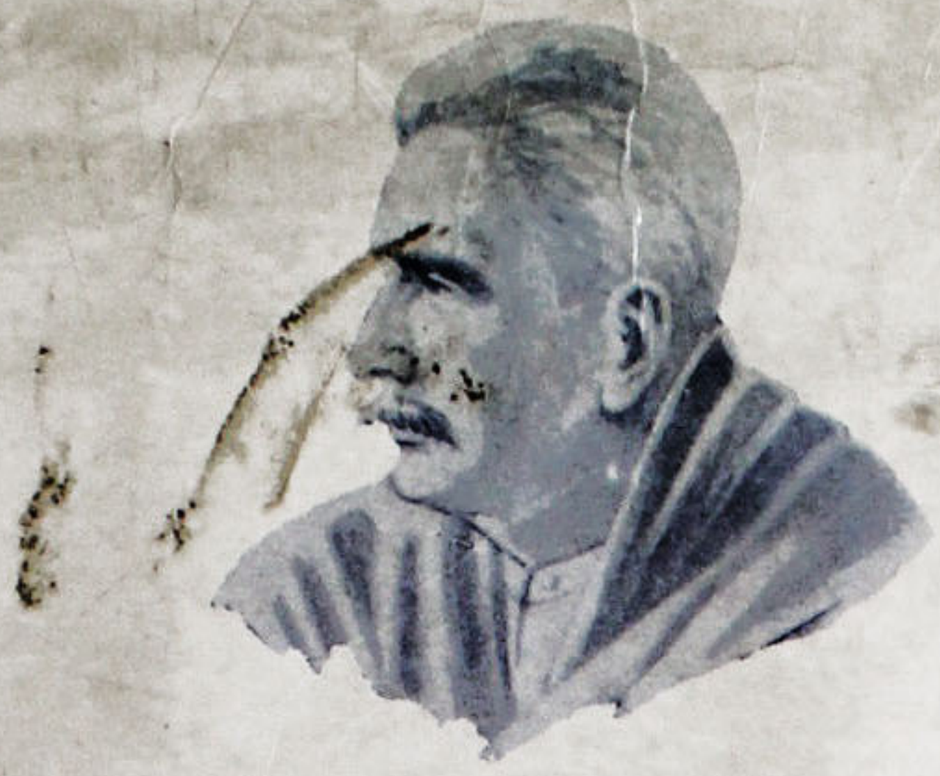

اقبال اور اجتہاد

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

GI
297.31
م 605
29929

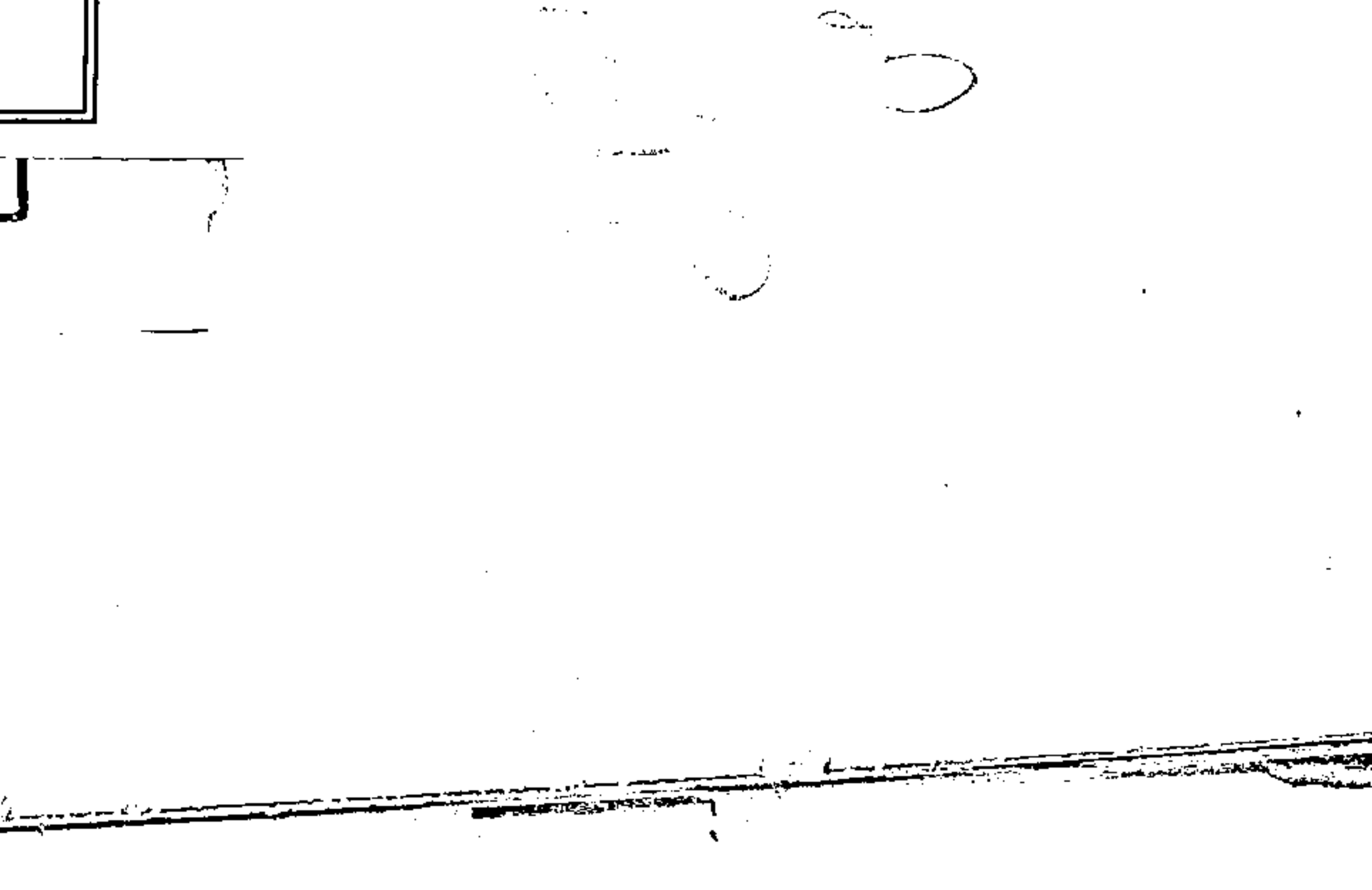

DATA ENTERED

اقبال اور اجتہاد

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

© فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

۲۹۹۲۹

ک ۲

باراوّل ------------- ۱۹۸۹ء

DATA ENTERED

مطبع — فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

غیر مجلّد — ISBN 969 0 00933 8

DATA ENTERED

فہرست مضامین

نمبر شمار		صفحہ
۱	تمہید جناب جسٹس یعقوب علی خاں، چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان (ریٹائرڈ)	۷
۲	**باب اول** **علامہ اقبال اور جدید اسلامی ریاست میں تعبیر شریعت کا اختیار**	۱۵
	(۱) ابتدائیہ	۱۵
	(۲) طرز حکومت	۱۸
	(۳) تعبیر شریعت پارلیمنٹ کا اختیار	۱۸
	(۴) تعبیر شریعت کا اختیار پارلیمنٹ کو کیوں ؟	۱۹
	(۵) اجتہاد کا دروازہ بند ہونا محض افسانہ ہے	۲۱
	(۶) اب اجتہاد کے زیادہ مواقع موجود ہیں	۲۴
	(۷) علماء کی نامزد کونسل	۲۵
	(۸) کیا اسمبلی گزشتہ تعبیر شریعت کی پابند ہے ؟	۲۵
	(۹) کیا اسمبلی صحابہؓ کے فیصلے کی پابند ہے ؟	۲۷
	(۱۰) اسمبلی اجتہاد مطلق کا اختیار رکھتی ہے	۲۹
	(۱۱) پاکستانی قوم کا فرض	۳۰
	(۱۲) اقبال کے افکار پر کیوں عمل نہ ہوا ؟	۳۰

۳ باب دوم

اقبال ، اجتہاد اور پاکستان ۳۳
(۱) اجتہاد اور اختلاف رائے ۳۳
(۲) فکر اسلامی کی تشکیل جدید پر علامہ کا اجتہاد ۳۷
(۳) اقبال کے اجتہادات ۴۰
(۴) فقہ اسلامی کی تشکیل جدید پر علامہ کا اجتہاد ۴۲
(۵) جدید اجتہاد کے اصول ۴۴
(۶) اجتہاد کا داعیہ ملّی ۴۷
(۷) حصول اسلامی ریاست پر علامہ کا اجتہاد ۴۹
(۸) مخالفین اجتہادِ اقبال پر جمہور کا فیصلہ ۵۲
(۹) پاکستان اجتماعی اجتہاد کا نتیجہ ۵۳
(۱۰) پارلیمنٹ کے اجتہاد کا مفہوم ۵۴
(۱۱) دور جمہوریت میں فقہ سازی ۵۴
(۱۲) پارلیمنٹ میں تعبیر شریعت کے قواعدِ ضابطہ کار ۵۵
(۱۳) شریعت بل ۵۵
(۱۴) دورِ ملوکیت میں فقہ سازی ۵۷
(۱۵) معتمد علیہ فقہاء ۵۷
(۱۶) مجرم فقہاء ۵۸
(۱۷) فقہ ملوکیت میں سپریم اتھارٹی ۶۰
(۱۸) فقہ ملوکیت کے بنیادی اصول ۶۱
(۱۹) نامزد ادارہ اور پارلیمنٹ ۶۵
(۲۰) اجتہاد کمشن کا قیام ۶۶

(۲) جناب محمد حنیف رامے ۷۰
سابق وزیر اعلیٰ پنجاب
(۳) جناب سردار محمد اقبال موکل ۷۲
پرنسپل لاء کالج پنجاب یونیورسٹی
(۴) جناب محمود مرزا ایڈوکیٹ ۷۵
ماہر اقتصادیات
(۵) جناب میاں محمد شفیع (م۔ ش) ۷۵
میر منشی علامہ اقبال و بزرگ صحافی
(٦) جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر ۷۷
ڈائریکٹر پنجاب پبلک لائبریریز
ماہر علوم دینیہ و اسلامیہ و ماہر اقبالیات

تمہید

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ سے میری ذاتی یاد اللہ کئی برسوں پر پھیلی ہوئی ہے ۔ وہ ایک نامور محقق اور مسلمہ ماڈرن مسلم جیورسٹ ہیں ۔ ان سے میرا پہلا علمی تعارف اسلامی نظام عدل پر ان کی شہرہ آفاق انگریزی تصنیف :

'Judicial system under the Holy Prophet and the First Two Pious Caliphs'

پر منعقدہ مذاکرے سے ہوا ۔ جس میں میں نے اس کتاب سے سو فیصد اتفاق کیا ۔ اسلامی اصول قانون پر ان کی ایک اور انگریزی تخلیقی تصنیف :

'Origins of Islamic Jurisprudence'

کے مطالعہ سے میں ان سے مزید متاثر ہوا ۔

اس فکری کشمکش ، پُر درد اور ذھنی انتشار کے دور میں پاکستانی قوم بہت سے اھم مسائل سے دوچار ہے ۔ ایک مسئلہ جو سر فہرست اور بنیادی ہے ، جس پر ملک کے قیام و بقا کا دارومدار ہے ، وہ اس کے بنیادی تصورات کی تعبیر نو ہے ۔ ہمارے علماء کرام کا ایک بڑا موثر طبقہ کسی کو اپنی رائے کے خلاف کوئی حرف کہنے کی اجازت نہیں دیتا ۔ وہ بڑی تندی ، تیزی ، تلخی اور گرمی سے ہر وہ لفظ ، خیال اور فکر مٹا دینا چاہتا ہے ، جو اس سے مختلف ہو ۔ میں ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کا بڑا مداح رہا ہوں ۔ انہوں نے بڑی جرأت مندی سے بڑے عالمانہ اور محققانہ پیرائے میں یہ کتاب تصنیف کی ہے ۔ اصل میں ان کے پیچھے جو طاقت ہے وہ ان کے علم ، تجسس ، جستجو اور تحقیق کی طاقت ہے ۔ وہ پہلے عالم

دین ہیں ، جنہوں نے ایک بڑی آئینی و قانونی بحث کو بڑے عام فہم ، آسان اور سلجھے ہوئے انداز میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ انہوں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے ۔ اب عوام کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان کی ریاست کا ڈھانچہ کیا ہو ؟ کوئی ملک کسی آئین اور شرع کے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ میں نے ذاتی طور پر ڈاکٹر گورایہ کے افکار وخیالات سے نویں آئینی ترمیم اور شریعت بل پر اپنے مقالے میں استفادہ کیا ہے ۔ انہوں نے علامہ اقبال کے حوالے سے اپنا نظریہ پیش کیا ہے ، آئین و شریعت بل میں تبدیلی ، قطع و برید اور ترمیم کا حق کس کو ہے ؟ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب لکھ کر بروقت قوم کی رہنمائی کی ہے ۔ بالکل جدید اور اہم مسئلے پر روشنی ڈالی ہے ۔ اسلام کے محکمات کی علامہ اقبال کی سند سے ، بڑے مستند طریقے سے صاف اور واضح طور پر ان مسائل کی تشریح کی ہے ۔ اس کتاب کا اہم ترین مسئلہ جدید اسلامی ریاست میں شریعت کا اختیار ہے ۔ انہوں نے اجتہاد کے ذریعے بتایا کہ اس کا حق پارلیمنٹ کو حاصل ہے ۔ یہ بالکل درست ہے ، قانون کا کوئی مجموعہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کسی ملک کی ضروریات کو پورا کرتا رہے ۔ ہمیشہ بدلتے ہوئے معاشرتی ، معاشی ، سیاسی حالات میں ہر قانون میں تبدیلی لازمی امر ہے ۔ اس کے بغیر معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا ، ڈاکٹر گورایہ نے کمال کر دکھایا کہ بڑی قابلیت اور تحقیق سے ثابت کیا کہ تعبیر شریعت میں قانون سازی شامل ہے ۔ یہ ایک بہت ہی بلند خیال ہے ، جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔ اس سے اجتہاد میں بے حد وسعت پیدا ہو گئی ہے ۔

خلافت راشدہ کے بعد جتنی فقہ بنی وہ ملوکیت کی تائید میں تھی ۔ پاکستان میں بھی اس کا تجربہ ہوا ہے ۔ ملوکیت و آمریت میں تعبیر شریعت ایسی ہوتی ہے جس سے بادشاہت و اقتدار کو تقویت ملے ۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے بادشاہ وقت سے اتفاق نہیں کیا ۔ امام مالک نے بالجبر بیعت توڑنے والے کی بیوی کو طلاق کے خلاف فتوی دیا ۔ ان کا کیا حشر ہوا ؟ ہزاروں میں سے

کوئی جرأت مند پیدا ہوتا ہے ، جو حاکم وقت کے خلاف حق کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے ۔ ورنہ اکثر ایسی رائے دی جاتی ہے جس سے ملوکیت و شہنشاہیت مستحکم ہو ۔ خلافت بنوامیہ سے خلافت عثمانیہ تک عالم اسلام میں آزادی کی امنگ پیدا نہیں ہوئی ۔ ذہن جکڑے ہوئے تھے ۔ دماغوں کو تالے لگا کر اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا ، تاکہ ملوکیت طاقتور ہو اور پشت در پشت شہنشاہیت قائم رہے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے اس جمود و تقلید کو توڑا ہے ۔

اب رہا دوسرا سوال کہ اجتہاد کون کرے ؟ فقہ میں اجتہاد کی شرائط ناقابل عمل اور دور ملوکیت کی یادگار ہیں ۔ اب ڈاکٹر گورایہ کا یہ بذات خود اجتہاد ہے کہ اس کا اختیار امت کو حاصل ہے ، جس کی فی زمانہ شکل پارلیمنٹ ہے ۔ پارلیمنٹ کا چارٹر اجتہاد ہے ۔ انہوں نے بڑا حساس مسئلہ اٹھایا ہے کہ صحابہ کرام کی تعبیر سے پارلیمنٹ اختلاف کر سکتی ہے ۔ علامہ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بڑا مکمل جامع اور مدلل جواب دیا ہے ۔ "امرواقعی" میں تو اختلاف نہیں جیسے کسی جج نے موقع واردات خود دیکھا ہو ، البتہ "امر قانونی" قیاس اور اجتہاد پر مبنی ہے ۔ جس میں قطعیت نہیں ہو سکتی ۔ یہ انفرادی رائے ہے ۔ جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں ۔ خلفائے راشدین نے کبھی حکمرانی کے مقدس حق کا دعویٰ نہیں کیا ۔ اگرچہ "ڈیوائن رائٹ" کی تھیوری مغرب کی ہے ۔ جبکہ مسلمان ملوک و سلاطین اپنے آپ کو ظلِ الٰہی کہلاتے رہے ۔ وہ اس حیثیت میں قانون بناتے رہے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے قرآن و سنت اور اقبال کے حوالے سے ثابت کیا کہ اسلام کا طرز حکومت ریپبلیکن اور جمہوری ہے ۔ خلفائے راشدین کا یہی طرز حکومت تھا ۔ انہوں نے اپنے جانشین مقرر نہیں کئے تھے ۔ بعد کی مسلمان نسلوں سے اجتہاد کا اختیار سلب نہیں کیا جا سکتا ۔ قانونی امور پر اجتہادات سے پارلیمنٹ اختلاف کر سکتی ہے اسے حق ہے کہ وہ سابقہ اجتہادات کو ختم کر دے ۔ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" آیت میں "اولی الامر منکم" کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ میں سے ہو ۔ جسے آپ نے بنایا ہو ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جو آپ کے سر پر ایک غاصب کی طرح آ کے بیٹھ گیا ۔ وہ آپ میں سے تو نہیں ہو

سکتا ۔ وہ تو اپنے زور سے آیا توپ سے آیا ۔ تلوار سے آیا ۔ ٹینک سے آیا ۔ فائیٹر سے آیا ، بمبار سے آیا ۔ وہ "منکم" نہیں ۔ کیونکہ جو غاصب ہو کے بیٹھ گیا وہ آپ سے تو نہیں ۔ دور ملوکیت میں بادشاہ کو اولی الامر کہتے تھے یہ اس دور کی تعبیر شریعت تھی ۔ ان کا یہی کہنا تھا کہ جو ایک دفعہ تخت پر بیٹھ گیا ، بیعت اس کی ہوگی ۔ خطبہ جمعہ میں اس کا نام آگیا بس آپ اس کے ہو گئے اب آپ اس کے حکم کے سامنے سرکشی نہیں کر سکتے ۔ ظاہر ہے اسکا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ایک ماؤف سوسائیٹی رہ گئی ۔ جس کی وجہ سے وہ کتاب و سنت کے تمام خصائل کھو بیٹھی ۔ پھر ڈاکٹر گورایہ نے ارکان پارلیمنٹ کی اہلیت پر بحث کی ہے ۔ مجھے ان سے اتفاق ہے کہ گذشتہ مجتہدین کو اگر فرداً فرداً زیادہ علم حاصل تھا ، تو اس دور میں اجتماعی طور پر قوم کو ان سے زیادہ علم حاصل ہے ۔ اب اجتماعی اجتہاد سے پارلیمنٹ قانون سازی کرتی ہے ۔ ملک کے تمام طبقات کی فکر پارلیمنٹ میں منعکس ہوتی ہے ۔ یہ نظریہ ، تھیوری اور اصول کے عین مطابق ہے ، جو بالکل درست ہے ۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ پارلیمنٹ کے بلوں کی بحث میں علماء اور مفکرین ، جج ، وکیل ، استاد ، مذاکروں ، مقالوں اور بحثوں کے ذریعے شریک ہوتے ہیں ، ارکان پارلیمنٹ بے حس نہیں کہ متاثر نہ ہوں ۔ پوری امت کی سوچ و فکر نکھر کر پارلیمنٹ کی قانون سازی میں حصہ لیتی ہے ۔ جہاں تک پارلیمنٹ کیلئے صحیح نمائندوں کے انتخاب کا تعلق ہے ، آپ عوام کو رائے دینے کا حق دیں۔آپ بار بار انتخاب کریں۔لوگ بہت جلد ان نمایندوں کو چن لیں گے جو ان کا استحصال نہ کریں گے ۔ عوام کی تربیت واصلاح کیلئے اب موثر ذرائع ابلاغ آگئے ہیں جن کے ذریعے لوگ بہت باخبر ہو گئے ہیں ۔ ان کی مزید اصلاح اب جلد ہو گی ۔ قائد اعظم نے ایک خطبہ میں اسی چیز پر زور دیا ہے کہ ملک میں 'اسلامک سوشل جسٹس' اسلامی معاشرتی انصاف قائم ہو ۔ جس کے تحت ہر ایک کو کم از کم ایک حد تک انصاف ضرور ملنا چاہیے جس میں ایک کوالٹی آف لائف ہو ۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ۹۹ فیصد لوگ چکی میں پس رہے ہوں اور چند ، جن کو قائد اعظم نے بڑی توندوں والے کہا ، خواہ ان کو بائیس خاندان کہہ لیں یا کچھ اور ، وہ عیش کرتے رہیں ۔ ضرورت اسلامی مساوات کی ہے ۔ اس کے ساتھ ، آپ

عوام کو اپنی رائے ، اپنی قوت اور اپنی حاکمیت کے استعمال کا موقع دیں ۔

عدلیہ اور مقننہ کے اختیارات کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ ججوں کا منصب یہ نہیں کہ وہ قانون سازی کریں ۔ قانون سازی تو مقننہ کا حق ہے، کیونکہ وہ عوام کے نمائندے ہیں ۔ مجھے ایک بات یاد آگئی ۔ عرصہ ہوا میں امریکہ میں کیلیفورنیا کی ایک کلب میں بیٹھا ہوا تھا ، کچھ جرنلسٹ مجھے انٹرویو کرنے کیلئے آئے ہوئے تھے ، میں نے ان سے شکایت کی کہ آپ کے جج منتخب ہوتے ہیں ۔ انتخاب سے پہلے وہ لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں ، پھر وہ لاکھوں ڈالر پورا کرنے کیلئے پہلے چند سالوں میں اتنی رشوت لے لیتے ہیں کہ پورے ہو جاتے ہیں ۔ پھر جن وکیلوں سے ووٹ لیتے ہیں ، ان کا حلقہ انتخاب وکیلوں کا ہوتا ہے ، آپ ان کے حق میں فیصلے کرتے ہیں ، کیونکہ وہ آپ کے سپورٹر ہوتے ہیں ۔ جرنلسٹوں نے کہا ہم ان تمام خرابیوں سے پوری طرح واقف ہیں ۔ لیکن یہ ہمارا بنیادی حق ہے کہ جو شخص ہمارے اوپر بیٹھ کے ہماری زندگی ، ہماری موت ، ہماری عزت اور بے حرمتی ، ہماری جائیداد کے تقدس کا فیصلہ کرے گا ، اس کے تقرر میں ہمارا ہاتھ ہونا چاہیے ۔ ہمارا دخل ہونا چاہیے ۔ تو یہ بات ہے کہ جو آپ کے نمایندے اسمبلی میں بھی جاتے ہیں وہ عوام کی حاکمیت کے نمایندے ہوتے ہیں اور انشاء اللہ وقت آئے گا کہ اس اسمبلی میں بھی بہت بڑے عالم اور بہت بڑے مقتدر لوگ انکے ممبر ہونگے ، ابھی تو انہیں دم ہی نہیں ملا ۔ کھڑے ہونے کی زمین نہیں ملی ، جب دم مل گیا تو یہ خدا کے فضل سے مٹی واقعی بڑی زرخیز ہے ۔ اس میں بہت ہی لائق لیجسلیٹرز ہونگے ۔ جو سارے شرعی تقاضے پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہونگے ۔ لیکن اگر آپ کورٹ کو اجتہاد کا اختیار دیتے ہیں تو اس سے مقننہ اور عدلیہ میں خلا پیدا ہو گا ۔ مثلاً جسٹس منیر صاحب نے آئین پر اپنی کتاب میں ججوں کے دو تین اجتہاد کا ذکر کیا ہے نمبر ۱۔ وہ اینگلو محمڈن لاء کے زمانے کے تسلسل میں تھا ۔ نمبر ۲-اسلامی ریاست کا تصور ابھی اتنا واضح نہیں ہوا تھا کہ آپ اجتہاد کا اختیار ججوں کو دے دیں ۔ تو اس سے انفرادی باتیں ہوں گی ۔ عدلیہ اور مقننہ کے درمیان خلا بڑھے گا ۔ امریکی جج امریکن آئین کے متعلق کیا کہتے ہیں؟آپ کیا لاء بناتے ہیں ؟ جو

جج کہتے ہیں کہ یہ لاء ہے بس یہی منصب عدلیہ کا سب سے بڑا ہے ۔ قانون سازی میں عدلیہ کا یہی دخل ہے کہ قانون مقننہ بنائے گی ، لیکن کہے گی عدلیہ کہ قانون کیا بنایا ہے ۔ آپ کا قانون کیا کہتا ہے ۔ اس کی تشریح ہوگی ۔ ڈاکٹر گورایہ نے آئین سازی اور تعبیر شریعت کے حق سے متعلق تمام مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان کو اقبال کا اجتہاد قرار دیا ، کیونکہ اس وقت کے علماء اس کے مخالف تھے ۔ جب اقبال اور علماء کا اجتہاد مسلمان قوم کے سامنے پیش کیا گیا ، تو قوم نے علماء کو مسترد کر دیا اور اقبال کے اجتہاد پر پاکستان قائم ہوگیا ۔ حالانکہ اقبال پر کفر کے فتوے بھی لگے تھے ۔ اقبال کے مجتہد مطلق ہونے کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے ۔ یہاں ڈاکٹر گورایہ نے بالکل نئی سوچ پیش کر کے اجتہاد کے معنی کو وسعت دی ۔ عام طور پر اجتہاد چند فقہی مسائل کو کہا جاتا ہے ۔ انہوں نے نہ صرف تعبیر شریعت کو اجتہاد کہا ہے ، بلکہ تحریک اور عمل (ایکشن) کو بھی اجتہاد میں شامل کیا ہے ۔ اس کتاب میں دور جدید میں اجتہاد کے اصول و قواعد بیان کئے گئے ہیں ۔ ہماری ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ اس موضوع پر مزید تفصیل اور وضاحت سے لکھیں ۔ اس سے قوم کو رہنمائی حاصل ہوگی ۔ خاص طور پر نوجوان نسل کو ان نظریات و خیالات سے روشناس کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے ۔ انہوں نے علامہ اقبال کے اجتہاد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ علامہ کی انگریزی کتاب

The Reconstruction of Religious Thought in Islam

"تشکیل جدید الہیات اسلامیہ"، انکے اجتہادات کا سب سے بڑا مجموعہ ہے ۔ ڈاکٹر گورایہ صاحب نے "شریعت بل" والوں اور دیگر معترضین کو مدلل جواب دیا ہے کہ اقبال کی نثر زیادہ ٹھوس ، متعین اور واضح افکار پر مبنی ہے ۔ اس میں شعر کی طرح ذومعنویت نہیں ۔ ان لوگوں نے تو یہاں تک کہا کہ اقبال کو دینی معاملات میں اجتہاد کا حق حاصل نہیں ۔ اس کی عظمت صرف شعر کی وجہ سے ہے ۔ ڈاکٹر گورایہ صاحب نے اس غلط فکر کا بڑے علمی ، تحقیقی اور حقیقی انداز میں جواب دے کر قوم پر بڑا احسان کیا ہے ۔ یہ کتاب ڈاکٹر گورایہ کا واقعی اجتہاد ہے ۔ میں اس کی حرف بحرف تائید کرتا ہوں ۔ جنہوں نے علامہ اقبال کے خطبات پڑھے

ہیں ، وہ بھی اس کتاب کی حرف بحرف تائید کریں گے ۔ جمہوری طرز حکومت صرف اسلامی تعلیمات کے مطابق ہی نہیں ، بلکہ آج کی شدید ضرورت ہے ۔ ہم ڈاکٹر گورایہ سے کہیں گے کہ وہ اپنا تخلیقی و تعمیری مشن جاری رکھیں ۔ اس سے قوم کو رہنمائی حاصل ہوتی ہے ۔ وہ اپنے افکار زیادہ سے زیادہ قوم کے سامنے پیش کریں ۔

جسٹس یعقوب علی خاں (ریٹائرڈ)

چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

باب اوّل

علامہ اقبال اور جدید اسلامی ریاست میں تعبیر شریعت کا اختیار

ابتدائیہ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں ۔ ان کے افکار و نظریات کثیرالجہات ہیں ۔ مصور پاکستان کی حیثیت ، ان کے دیگر پہلوؤں پر غالب آ گئی ۔ اس تصور کو ایک حقیقت اور تحریک کی شکل دینے کے لئے انہوں نے جو شعر کہے ، وہ حیات و کائنات پر ان کی دوسری شعری و نثری تعلیمات پر چھا گئے ، یہ ایک فطری اور تاریخی ، ملی تقاضا تھا ۔ ایک محکوم قوم میں آزادی کی تمنا کی بیداری اور اس کے حصول کے لئے تازہ و صحت مند حرکی اور فکری غذا کی فراہمی ، ہندی مسلمان کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی ۔ جسے حکیم الامت نے اس کی غلامانہ اور مقلدانہ ذہنیت کی شفا کے لئے تجویز کیا ۔ تحریک پاکستان میں جوش ایمان اور جذبہ عمل کی عمودی اور افقی قوت ان کے شعروں کی مرہون منت تھی ۔ جو انگریز کی جدید ترین عسکری اور برہمن کی قدیم ترین عیارانہ چالوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئی ۔ اس موقع پر علامہ کے اس تمام شعری کلام کے تکرار کی ضرورت نہیں جس نے ممولے میں شہباز سے لڑنے کی ہمت پیدا کی اور جو اب تک مسلمان کے ذہن میں ہر وقت تازہ ہے ۔ یہ علامہ کی شخصیت کا ایک پہلو ہے ۔

ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب خواب حقیقت بن جائے اور ریاست معرض وجود میں آجائے تو تحریک کی قوت کو تعمیر کی طاقت میں کیسے بدلا جائے ؟ میں ”کلیات اقبال فارسی“ : اسرار و رموز ، پیام مشرق ، زبور عجم ، جاوید نامہ ، پس چہ باید کرد، ارمغان حجاز اور ”کلیات اقبال اردو“ : بانگ درا بال جبریل ، ضرب کلیم ، ارمغان حجاز ، مکاتیب ، ملفوظات اور ان کی انگریزی

تخلیقات بالخصوص :

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

کے عمیق مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ درحقیقت علامہ کی تعلیمات میں تعمیر ریاست پر زیادہ جامع اور ٹھوس تخلیقی مواد موجود ہے ۔ اب یہ اہم سوال ہے کہ قیام پاکستان کے بعد تشکیل ریاست کے متعلق ان کے نظریات کیوں اہمیت حاصل نہ کر سکے ؟ پاکستان میں بننے والے مختلف دساتیر میں ان کے تصورات کو کیوں جگہ نہ مل سکی ؟ ریاستی اداروں : مقننہ ، عدلیہ ، انتظامیہ کی تشکیل میں ان کے افکار سے کیوں استفادہ نہ کیا گیا ؟ معاشرتی ، معاشی ، سیاسی، تعلیمی اداروں کی ترتیب میں ان کے خیالات کو کیوں نظر انداز کیا گیا ؟ سائنسی ، تکنیکی ، تحقیقی اور تخلیقی ادارے ان کے تصورات پر کیوں قائم نہ ہوئے ؟ کیا اداروں کی تعمیر و تشکیل اور حکومتی امور و معاملات پر علامہ کی تعلیمات موجود نہیں ؟ ایسا ہرگز نہیں ۔ میرے اندازے کے مطابق علامہ کی تخلیقات کا زیادہ حصہ ایک جدید اسلامی ریاست کی تعمیر اور اس کے اداروں کی تشکیل سے متعلق اجتہادات پر مشتمل ہے ۔

ایسی صورت میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انہیں نظرانداز کیوں کیا گیا ؟ اس کے مختلف اسباب ہیں ۔ پہلا یہ کہ تحریک پاکستان اور تعمیر پاکستان پر علامہ کی تعلیمات میں سے فطری اور تاریخی طور پر تحریک سے متعلق ان کے تصورات کو اولیت حاصل تھی ۔ چنانچہ ان کی زندگی کے دوران اور قیام پاکستان تک وہ اشعار اور خطبات زبان زد عام ہو گئے ، جو کفر کے مقابلے میں جوش ایمان اور جذبۂ عمل سے بھرپور تھے ۔ جن میں قابل فخر ماضی اور روشن مستقبل کی نوید تھی ۔ ان میں اسلامی عقائد و تعلیمات کی رعنائی اور مسلمان کے دلی جذبات و احساسات کی حسین انداز اور دلفریب اسلوب میں ترجمانی تھی ۔ چنانچہ بلاامتیاز ہر طبقہ خیال اور ہر طبقہ معاشرت نے انہیں دل و جان کی گہرائیوں سے اپنا لیا ۔ علامہ کے تحریک پاکستان سے متعلق پیام کی سحر میں مسلمان اتنا مسحور ہو گیا کہ وہ تعمیر پاکستان سے متعلق پیغام کی طرف توجہ نہ دے سکا اور سمجھ بیٹھا کہ اقبال کا پیغام بس یہی ہے !

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہی متذکرہ اشعار و خطبات نصاب تعلیم کا حصہ بن گئے ۔ ذرائع ابلاغ بھی انہیں کی نشر و اشاعت میں لگ گئے ۔ معاشرتی ، تہذیبی اور ثقافتی مجالس و محافل میں یہی پڑھے جانے لگے ۔ اب نصف صدی گذر جانے کے باوجود تعمیر پاکستان سے متعلق ان کے افکار کو وہ مقام نہ مل سکا جس کے وہ مستحق تھے ۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "ذہین لوگوں" نے اپنے طور پر "اجتہاد" کر کے قوم کا رخ علامہ کے افکار سے مزار کی طرف موڑ دیا ۔ مزار پر پھول چڑھانے کو افکار پر عمل قرار دے دیا گیا ۔ سرحدوں کے گارڈ مزار پر لگا کر افکارِ اقبال کے تحفظ کا انتظام کیا گیا !

تیسرا سبب یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم اور قائد ملت جلد وفات پا گئے ان کے بعد سیاسی قیادت کے لئے جاگیرداری ، سرمایہ داری ، سول اور فوجی نوکر شاہی کے مفادات کا تحفظ تمام قومی اور ملکی تقاضوں پر اولیت اور فوقیت اختیار کر گیا ، جس سے علامہ اقبال کے اشعار اور افکار کے انتخاب کا سوال پیدا کر لیا گیا ۔ وہ اشعار و افکار جو ان طبقات کے مفادات کے استحصال کے کام آسکتے تھے عام کئے گئے ، اور جو ایک ترقی پسند جدید اسلامی ریاست کی تعمیر کے کام آسکتے تھے دبا دیئے گئے ۔ چنانچہ نصاب تعلیم ، ذرائع ابلاغ ، سرکاری ، سماجی ، مذہبی اور ثقافتی تقریبات کے لئے اول الذکر مفہوم کے اشعار کا انتخاب عمل میں آیا ۔ اس من پسند "انتخاب اقبال" کو قوالوں اور گویوں کے ذریعے پوری قوت ، شدت اور اصرار کے ساتھ پیش کر کے قوم کو باور کرایا گیا کہ گویا اس "انتخاب" کے علاوہ علامہ اقبال اپنے افکار سے خود دستبردار ہو گئے تھے !

قوم کے اہل علم و دانش کا فرض تھا کہ وہ قیام پاکستان کے بعد علامہ کے افکار کی ترجیحات کو ازسرنو مرتب کرتے ۔ ریاستی امور ، حکومتی معاملات اور معاشرتی اداروں سے متعلق افکار کو اولین ترجیح دیتے ۔ انہیں نصاب تعلیم میں شامل کرتے ۔ ذرائع ابلاغ سے ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہوتا اور وہ معاشرتی زندگی میں رواج پاتے ۔ مگر ایسا نہ ہوا ۔ اس مقالے میں اسلامی ریاست سے متعلق علامہ کی تعلیمات میں سے صرف ایک ادارے ، مقننہ پر ان کے افکار پیش کئے

جاتے ہیں ۔ جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ان کی تعلیمات میں ریاستی امور ، حکومتی اور معاشرتی معاملات پر کتنا جامع اور واضح مواد موجود ہے جو دعوت دیتا ہے کہ قوم اسے استعمال میں لائے اور پاکستان کو ایک جدید اسلامی ریاست بنائے ۔ اس مقالے میں حوالہ جاتی اقتباسات علامہ کی انگریزی کتاب :

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

سے لئے گئے ہیں ۔

طرز حکومت

ایک جدید اسلامی ریاست میں تعبیر شریعت کے اختیار کا براہ راست تعلق طرز حکومت سے ہے ۔ علامہ اقبال کے نزدیک جمہوری طرز حکومت ، روح اسلام کے عین مطابق ہے اور قانون سازی کا صحیح اور جائز حق ، ایک منتخب اسمبلی کو حاصل ہے ۔ وہ ترکی کے اس اجتہاد کو روح اسلام کے عین مطابق قرار دیتے ہیں جس میں خلافت ایک منتخب اسمبلی کو تفویض کرنے کا نظریہ پیش کیا گیا ہے ۔ اس پر وہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"Personally, I believe the Turkish view is perfectly sound. It is hardly necessary to argue this point. The republican form of government is not only thoroughly consistent with the spirit of Islam, but has also become a necessity in view of the new forces that are set free in the world of Islam".(p–157)

"ذاتی طور پر میرا ایمان ہے کہ ترکی کا اجتہاد کلی طور پر صواب ہے ۔ یہ اتنا صحیح ہے کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ۔ اس لئے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت مکمل طور پر روح اسلام کے عین مطابق ہے ۔ ثانیا : ان نئی قوتوں کے پیش نظر جو عالم اسلام میں بیدار ہو چکی ہیں جمہوی طرز حکومت اور بھی ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔"

تعبیر شریعت پارلیمنٹ کا اختیار

اسلامی ریاست کی منتخب مقننہ کا بنیادی فریضہ تعبیر شریعت ہے ۔ اس

وقت یہی سب سے اہم مسئلہ قوم کو در پیش ہے کہ شریعت کی تعبیر کا اختیار کس کو حاصل ہے ؟ کیا فقہی مسلکوں کے غیر منتخب افراد اس کا حق رکھتے ہیں یا تعبیر شریعت کا اختیار منتخب قومی اسمبلی کو حاصل ہے ؟ تعبیر شریعت کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے ۔ آئیے اس سوال پر علامہ اقبال کے افکار سے رہنمائی حاصل کریں ۔ وہ فرماتے ہیں :

"The transfer of the power of Ijtihad from the individual representatives of schools to a Muslim legislative assembly which, in view of the growth of opposing sects, is the only possible form Ijma can take in modern times, will secure contributions to legal discussion from laymen who happen to possess a deep insight into affairs. In this way alone we can stir into activity the dormant spirit of life in our legal system, and give it an evolutionary outlook". (p–174)

"فقہی مسلکوں کے انفرادی نمائندوں سے اجتہاد کا اختیار لے کر ایک مسلم قانون ساز اسمبلی کو منتقل کر دیا جائے ۔ متحارب فرقوں کے پیدا ہو جانے کے پیش نظر عہد جدید میں یہی ایک صورت ممکن ہے جو اجماع اختیار کر سکتا ہے اور صرف اسی شکل میں عوام کی شرکت کو قانون سازی کے عمل میں یقینی بنایا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ عوام ، معاملات میں گہری نظر رکھتے ہیں ۔ یہی ایک واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنے فقہی نظام میں خوابیدہ روح کو ازسرنو فعال اور متحرک بنا کر اسے ارتقائی شکل دے سکتے ہیں۔"

تعبیر شریعت کا اختیار پارلیمنٹ کو کیوں ؟

علامہ اقبال کا جواب نہائت واضح اور دوٹوک ہے ۔ ان کے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ فقہی مسلکوں کے غیر منتخب نمائندوں سے اختیارِ اجتہاد لے کر اسے قوم کی منتخب اور نمائندہ قانون ساز اسمبلی کے سپرد کر دیا جائے ۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فرقے دور ملوکیت اور استعمار کی پیداوار ہیں ، اور اب جمہوریت کا دور ہے ۔ چوتھے خلیفہ راشد کی وفات کے بعد عہد بنو امیہ اور بعد میں عہد بنو عباس میں تعبیر شریعت کا اختیار امت سے فقہی مسلکوں اور فرقوں کی طرف منتقل ہو گیا تھا ۔ اب وقت آگیا ہے کہ تعبیر شریعت کا اختیار فقہی مسلکوں کے

افراد سے لے کر قوم کو منتقل کر دیا جائے ۔ جو اس کی اصل اور جائز حقدار ہے ۔ وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے اس حق کا استعمال کرے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ متحارب فرقوں کی موجودگی میں عہد جدید میں یہی واحد شکل ممکن ہے جو اجماع اختیار کر سکتا ہے اور صرف اسی طریقے سے قانون سازی میں عوام کی شرکت کو یقینی بنایا جا سکتا ہے کیونکہ عوام ، ریاست و معاشرے کے معاملات میں گہری بصیرت کے مالک ہوتے ہیں اور ان کی شرکت کے بغیر قانون سازی بے جان اور بے نتیجہ رہتی ہے ۔

علامہ کا اجتہاد غیر مبہم ہے ۔ عہد جدید میں تعبیر شریعت کا اختیار صرف اور صرف منتخب قومی اسمبلی کو حاصل ہے ان کے اس اجتہاد کے دو بڑے سبب ہیں : پہلا سبب یہ ہے کہ فقہی مسلکوں کے افراد تعبیر شریعت کے اہل نہیں ۔ کیونکہ پوری قوم کی شریعت ایک ہے ۔ جبکہ وہ ایک شریعت کی بجائے ، مختلف اور متحارب فقہوں کے نمائندے ہیں ۔ وہ اپنے فرقے کے لئے اپنی فقہ کی تعبیر تو کر سکتے ہیں مگر پوری قوم کے لئے شریعت کی تعبیر نہیں کر سکتے ۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلام میں اختیار تعبیر شریعت پوری قوم کا حق ہے ۔ خدا نے یہ اختیار کسی فرد یا فرقے کو تفویض نہیں کیا بلکہ اس کا اختیار پوری قوم کو دیا ہے ۔ عہد رسالت میں آنحضرتؐ ریاستی امور ، حکومتی معاملات اور معاشرتی و معاشی اداروں کی تشکیل میں عوام کی رائے معلوم فرماتے تھے :

"وشا ورہم فی الامر" قرآن ۳ :۱۵۹ (امور حکومت میں آپ ان سے مشورہ لیں) کا یہی مفہوم ہے ۔ اس قرآنی اصول پر مبنی نظام حکومت "وامرہم شوری بینھم" قرآن ۴۲ :۳۸ (ان کے امور حکومت باہم مشورے سے طے پاتے ہیں) سے یہی مراد ہے ۔ یہی سنتِ خلفائے راشدین ہے ۔ عوام میں سے عام مردوں اور عورتوں کی رائے کو ان عہدوں میں درست تعبیر شریعت قرار دیا گیا ۔ قوم کو اللہ نے تعبیر شریعت کا جو اختیار دیا ہے وہ اسے آزادانہ رائے سے ہی استعمال کر سکتی ہے ۔ جس کی عملی صورت یہ ہے کہ وہ آزادانہ ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب میں اپنے نمائندے منتخب کرے ۔ جو ان کی نمائندگی میں تعبیرِ

نو کا فریضۃ انجام دیں ۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے : "ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ" "اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا" (ترمذی : فتن ، لزوم الجماعتہ) ۔ تعبیر شریعت میں ایک فرد یا فرقہ یا طبقہ گمراہی اختیار کر سکتا ہے ۔ مگر یہ پوری قوم گمراہ نہیں ہو سکتی ۔ "و یداللہ علی الجماعۃ" جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے ۔ (ایضاً)

اہلیت تعبیر شریعت کی صلاحیت رکھنے والا ، اچھی شہرت کا مالک ، ہر بالغ مسلمان مرد و زن قانون ساز ادارے کی رکنیت کا اہل ہے ۔ یہ صلاحیت قرآن و سنت کی تعلیمات ، جدید علوم و تجربات اور درپیش قومی اور بین الاقوامی مسائل و حالات کی مہارت پر مشتمل ہے ۔ البتہ مالی ذرائع یا تفرقی حیثیت یا نسبی عصبیت یا علاقائی تعصب کا استحصال کرنے والا اس کی رکنیت کا اہل نہیں ، کیونکہ مال یا فرقے یا نسب یا علاقے کا استحصال قرآنی شرائط اخلاص اور تقویٰ کے منافی ہیں ۔

اجتہاد کا دروازہ بند ہونا محض افسانہ ہے

علامہ اقبال مسلسل اجتہاد کے قائل ہیں ۔ وہ قاضی شوکانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اجتہاد آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں بھی ہوتا رہا ہے ۔ اس سے تو یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد کسی دور میں بند نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا نظریہ محض افسانہ ہے ۔

علامہ لکھتے ہیں :

"The closing of the the door of Ijtihad is pure fiction."(p.178)

"اجتہاد کا دروازہ بند ہونا محض افسانہ ہے۔"

افسانہ گھڑنے کے اسباب

علامہ نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے افسانے کے تین اسباب بیان کئے ہیں :

اول : فقہ متعین صورت اختیار کر کے حرف آخر قرار پا گئی اور اسے دائمی

حیثیت دے دی گئی :

"But contrary to the spirit of his own school the modern Hanafi legist has eternalized the interpretations of the founder or his immediate followers much in the same way as the early critics of Abu Hanifa eternalized the decision given on concrete cases ." (p.178)

"عہد حاضر کے حنفی فقہاء نے اپنے مذہب کی روح کے خلاف ، امام ابو حنیفہ یا ان کے شاگردوں کی تعبیرات کو دوامی حیثیت دے رکھی ہے ۔ جس طرح شروع شروع میں امام ابو حنیفہ کے ناقدین نے ان فیصلوں کو دائمی حیثیت دے دی تھی جو مخصوص معاملات پر دیئے گئے تھے"۔

امام ابن تیمیہ نے فقہ کے حرف آخر ہونے کے خلاف سب سے پہلے زبردست ردعمل کا اظہار کیا ۔ علامہ لکھتے ہیں :

" Claiming freedom of Ijtihad for himself he rose in revolt against the finality of the schools, and went back to first principles in order to make a fresh start." (p.152)

"اپنے لئے اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ فقہی مذاہب کے حرف آخر ہونے کے خلاف بغاوت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور شریعت کی از سر نو تعبیر کرنے کے لئے انہوں نے اولین اصولوں کی طرف رجوع کیا"۔

علامہ مزید لکھتے ہیں :

"But with all their comprehensiveness, these systems are after all individual interpretation, and as such cannot claim finality . I know the Ulama of Islam claim finality for popular schools of Muhammadan Law, though they never found it possible to deny the theoretical possibility of a complete Ijtihad."(p.168)

"فقہی مذاہب اپنی جامعیت کے باوجود ، بہرحال انفرادی تعبیرات ہیں اور حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ۔ مجھے معلوم ہے کہ علماء فقہی مذاہب کے حرف آخر ہونے کے دعویدار ہیں ۔ اگرچہ ان سے کبھی ممکن نہیں ہوا کہ وہ اجتہاد مطلق کا انکار کر سکیں"۔

دوم : اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے افسانے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ذہنی تساہل اور روحانی انحطاط کی وجہ سے بڑے مجتہدین کو بت بنا لیا گیا ، علامہ لکھتے ہیں :

"and partly by that intellectual laziness, which especially in the period of spiritual decay, turns great thinkers into idols"(p.178)

"اور یہ بھی کہ ذہنی تساہل کی وجہ سے ، بالخصوص روحانی انحطاط کے زمانے میں ، ائمہ مجتہدین کو بت بنا لیا جاتا ہے۔"

سوم : اجتہاد کی بندش کا تیسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مجتہدین کو اجتہاد کی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں جبکہ موجودہ مجتہدین کو زیادہ مشکلات درپیش ہیں ۔

علامہ اقبال نے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے ان تینوں اسباب کا سختی سے رد کیا ہے ۔ فقہ کے حرف آخر ہونے کا کوئی دینی اور علمی جواز موجود نہیں ۔ فقہ کی زیادہ سے زیادہ حیثیت فقہاء کی انفرادی تعبیر کی ہے ، جو انہوں نے اپنے دور کے مخصوص حالات میں کی تھی ۔ اس کے دوام اور حرف آخر ہونے کی کوئی سند موجود نہیں ۔ فقہ کے خود بانیوں کو اپنے اجتہادات اور تعبیرات کے حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہ تھا ۔ فقہ کے دوام کا دعویٰ کرنے والوں سے علامہ اقبال سوال کرتے ہیں :

"Did the founders of our Schools ever claim finality for their reasonings and interpretations?Never".(p.168)

"کیا ہمارے فقہی مسلکوں کے بانیوں نے کبھی دعویٰ کیا تھا کہ ان کے اجتہادات اور تعبیرات حرف آخر ہیں ؟ کبھی نہیں۔"

ائمہ مجتہدین کو بت بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا شریعت میں کوئی جواز ہے بلکہ اس کا اصل سبب ذہنی تساہل (Intellectual laziness) اور روحانی انحطاط (Spiritual decay) تھا ۔ جس کی وجہ سے بعد کے فقہاء اجتہاد نہ کر

سکے اور متقدمین فقہاء کے بارے میں ایسا تصور پیدا ہو گیا جو ایسے حالات میں عموماً پیدا ہو جایا کرتا ہے ۔

اب اجتہاد کے زیادہ مواقع موجود ہیں :

علامہ نے تیسرے مفروضے کے جواب میں لکھا کہ یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد اور انتہائی نامعقول ہے کہ پہلے مجتہدین کو اجتہاد کی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں موجودہ مجتہدین کو زیادہ مشکلات درپیش ہیں ۔ انہوں نے اس افسانے کو بےہودہ قرار دیا اور واضح کیا کہ دراصل موجودہ مجتہدین کو پہلوں کی نسبت زیادہ سہولتیں میسر ہیں ۔ اس پر سرخسی کے حوالے سے علامہ نے یہ رائے دی ہے :

"If the upholders of this fiction mean the later writers had more difficulties in their way, it is nonsense; for it does not require much understanding to see that Ijtihad for later doctors is easier than for the earlier doctors. Indeed the commentaries on the Quran and Sunnah have been compiled and multiplied to such an extent that the Mujtahid of to-day has more material for interpretation than he needs." (p.178)

"اس افسانے کے حامی اگر یہ سمجھتے ہیں کہ متاخرین فقہاء کے راستے میں زیادہ مشکلات ہیں تو یہ انتہائی بیہودہ بات ہے ۔ کیونکہ اسے سمجھنے کے لئے زیادہ عقل درکار نہیں کہ متاخرین فقہاء کے لیے متقدمین فقہاء کی نسبت اجتہاد کرنا زیادہ آسان ہے ۔ در حقیقت قرآن کی تفاسیر اور سنت کی شروح کا ذخیرہ اس کثرت سے مدون اور عام ہو چکا ہے کہ آج کے مجتہد کے پاس تعبیر شریعت کے لیے اس کی ضرورت سے بھی زیادہ مواد موجود ہے۔"

علامہ نے اپنے مدلل جواب سے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کو محض افسانہ قرار دیا اور ثابت کیا کہ اس کو گھڑنے والوں کے پاس کوئی دینی ، علمی اور قانونی جواز موجود نہیں ۔ عہد حاضر کے مسلمانوں کو انشراح صدر کے ساتھ اجتہاد کرنا چاہیے ۔ انہیں بغیر کسی خوف کے شریعت کی تعبیر نو کا اختیار استعمال کرنا چاہیے ۔ یہ ان کا حق ہے۔وہ اپنے حق سے کسی صورت دستبردار نہ ہوں ۔ علامہ فرماتے ہیں :

"modern Islam is not bound by this voluntary surrender of intellectual independence". (p.178)

عہد حاضر کے مسلمان کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ وہ اپنی ذہنی آزادی سے خود بخود دستبردار ہو جائیں"۔

علامہ نے وسیع النظر اور وسیع الفکر مسلمانوں کی نئی نسل کے اس اختیار کا مکمل جواز پیش کیا جس میں اس نے شریعت کی از سر نو تعبیر کا دعویٰ کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

"The claim of the present generation of muslim liberals to reinterpret the foundational legal principles, in the light of their own experience and the altered conditions of modern life is, in my opinion, perfectly justified." (p.168)

"عہد حاضر کے وسیع النظر مسلمان اگر دعویٰ کرتے ہیں کہ نئے تجربات کی روشنی اور زندگی کے بدلے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر انہیں شریعت کے بنیادی قانونی اصولوں کی ازسرِ نو تعبیر کا حق حاصل ہے تو میری رائے میں ان کا دعویٰ کلی طور پر جائز ہے"۔

علماء کی نامزد کونسل

علامہ ہر حالت میں قانون ساز اسمبلی کی بالادستی کے قائل ہیں ۔ وہ علماء کی کسی نامزد کونسل کو اسمبلی کی نگرانی پر برداشت نہیں کرتے ۔ انہوں نے ۱۹۰۶ء کے ایرانی دستور میں علماء کی نگران کونسل کی شق پر سخت تنقید کے بعد اسے خطرناک انتظام "Dangerous arrangement" (P.175) قرار دیا ۔ ان کی رائے میں علماء بھی اسمبلی کا حصہ بنیں اس کی آزادانہ قانونی بحثوں میں مدد اور رہنمائی کی خدمات انجام دیں ۔ مگر وہ علماء کو نامزدگی کے ذریعے اسمبلی کی نگرانی پر مسلط کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے ۔

کیا اسمبلی گزشتہ تعبیر شریعت کی پابند ہے؟

ایک جدید اسلامی ریاست کی مقننہ کے اختیارات کے ضمن میں ایک اہم

سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ اسمبلی گزشتہ زمانوں میں کی ہوئی شریعت کی تعبیر اور فقہاء کے اجتہادات کی پابند ہے ؟ اس مسئلے پر علامہ کا اجتہاد یہ ہے کہ موجودہ اسمبلی اس کی پابند نہیں، کیونکہ جیسے بیان ہو چکا ہے گزشتہ دور کی فقہ کے خود بانیوں کو اپنے اجتہادات اور تعبیرات کے حرف آخر ہونے کا دعویٰ نہ تھا ۔

علامہ کی رائے میں گزشتہ فقہی افکار فرسودہ ہو چکے ہیں اور کسی قوم کے فرسودہ افکار اس کے احیاء و تجدید کا ذریعہ نہیں بن سکتے ۔ انہوں نے اپنے اس نظریے کی تائید میں یہ رائے پیش کی ہے :

"The verdict of history is that worn-out ideas have never risen to power among a people who have worn them out". (p.151)

"تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جن فرسودہ نظریات کو خود کسی قوم نے ایک دفعہ فرسودہ قرار دے دیا ہو ۔ وہ اس قوم میں دوبارہ کبھی قوت حاصل نہیں کر سکتے۔"

ان کی رائے میں گزشتہ اجتہادات فرسودہ قرار پا چکے ہیں وہ اب مفید نہیں رہے ۔ ان کا احیاء تاریخ کے فیصلے کے خلاف ہے ۔ جدید افکار اور تجربات کی روشنی میں آزادیٔ اجتہاد کو بروئے کار لا کر قانونِ شریعت کی ازسرنو تشکیل کی ضرورت ہے ۔ اپنے اس بنیادی اصول کو تقویت پہنچانے کے لئے علامہ نے ترکی کے گرینڈ وزیر سعید حلیم پاشا کی رائے سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے اسے پیش کیا ہے :

"The only alternative open to us, then, is to tear off from Islam the hard crust which has immobilized an essentially dynamic outlook on life, and to rediscover the original verities of freedom, equality, and solidarity with a view to rebuild our moral, social, and political ideals out of their original simplicity and universality" (p.156)

"اب کوئی چارہ کار ہے تو یہ کہ ہم اس چھلکے کو اتار پھینکیں جو سختی کے ساتھ اسلام پر جم گیا ہے ۔ جس نے مکمل طور پر متحرک نظریہ حیات کو بالکل جامد بنا کر رکھ دیا ہے ۔ حریت، مساوات اور وحدت کی اصل صداقتوں کو پھر سے منکشف کریں، تاکہ اپنے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی اعلیٰ مقاصد کی از سر نو تعبیر ان

کے اصلی، سادہ اور عالمگیر نقطہ نظر سے کر سکیں۔"

علامہ اقبال کا نظریہ ہے کہ جو چیز فرسودہ ہو کر بے جان ہو چکی ہو' موجودہ اسمبلی اس کی پابند نہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ جھوٹی عقیدت کا اظہار اور مصنوعی ذرائع سے اس کا احیاء زوال پذیر قوم کا علاج ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"Thus a false reverence for past history and its artificial resurrection constitute no remedy for a people's decay" (p.151.)

"قوم کے زوال و انحطاط کو روکنے کا یہ علاج نہیں کہ گزشتہ تاریخ سے جھوٹی عقیدت کا اظہار کیا جائے اور اس کے احیاء کے لئے خود ساختہ اور مصنوعی ذرائع اختیار کیے جائیں۔"

علامہ کے ان افکار سے یہ اصول پوری طرح واضح ہو گیا کہ وہ مجلس قانون ساز کو کلی طور پر آزاد اور خود مختار سمجھتے ہیں ۔ وہ اس کے مکمل اختیار تعبیر شریعت کے قائل ہیں ۔ وہ فقہی مسالک سے قومی اسمبلی کو بالاتر قرار دیتے ہیں اور اسمبلی پر کسی بھی فقہی مسلک کی بالادستی کو برداشت نہیں کرتے ۔

کیا اسمبلی صحابہ کے فیصلے کی پابند ہے ؟

جدید اسلامی ریاست کی مقننہ کے اختیارات اجتہاد اور تعبیر نو کی بحث میں علامہ نے ایک نہایت حساس سوال اٹھایا ہے وہ یہ کہ کیا بعد کے مسلمان صحابہ کے کسی اجماعی فیصلے کے پابند ہیں ؟

"But supposing the Companions have unanimously decided a certain point, the further question is whether later generations are bound by their decision?" (p.175)

"بالفرض اگر صحابہ نے کسی مسئلے پر اجماعی فیصلہ دے رکھا ہے ، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بعد کے مسلمان ان کے فیصلے کے پابند ہیں ؟ اس مسئلہ پر امام شوکانی کی بحث کے بعد علامہ اقبال صحابہ کے "امر واقعی" اور "امر قانونی" پر فیصلوں میں تمیز کا بنیادی اصول پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"I think it is necessary in this connection to discriminate between

a decision relating to a question of fact and the one relating to a question of law". (p.175)

"میری رائے میں یہ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں امر واقعی سے متعلق فیصلے اور امر قانونی سے متعلق فیصلے میں تمیز کی جائے۔"

علامہ اس اصول کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"In the former case, as for instance, when the question arose whether the two small Suras known as "Muavazatain" formed part of the Quran or not, and the Companions unanimously decided that they did, we are bound by their decision. Obviously because the Companions alone were in a position to know the fact".

"اول الذکر معاملے (امر واقعی) میں مثلاً ، جب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ کیا "معوذتین" نام کی دو چھوٹی سورتیں قرآن کا حصہ ہیں یا نہیں اور صحابہ نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ وہ قرآن کا حصہ ہیں تو ہم ان کے فیصلے کے پابند ہیں ۔ بدیہی طور پر ، کیونکہ اس معاملے میں صرف صحابہ اس حیثیت میں تھے کہ انہیں اس کا علم ہوتا۔"

اس کے بعد علامہ دوسرے معاملے "امر قانونی" کے بارے میں اپنا اصول اس طرح بیان کرتے ہیں:

"In the latter case the question is one of interpretation only, and I venture to think, on the authority of Karkhi, that later generations are not bound by the decision of the companions. Says Karkhi: The Sunnah of the companions is binding in matters which cannot be cleared up by Qiyas, but it is not so in matters which can be established by Qiyas" (p.175)

" موخرالذکر معاملے (امر قانونی) کی صورت میں یہ مسئلہ محض تعبیر اور اجتہاد کا ہے ۔ لہذا میں کرخی کی سند پر یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ بعد کے مسلمان ، صحابہ کے فیصلے کے پابند نہیں ۔ کرخی کا قول ہے کہ صحابہ کی سنت ان معاملات میں لازم ہے جن میں قیاس سے کام نہیں لیا جا سکتا ۔ مگر جن معاملات میں قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے ان کی پابندی لازم نہیں۔"

اسمبلی اجتہاد مطلق کا اختیار رکھتی ہے

فقہی اصطلاح میں علامہ کے نزدیک قومی اسمبلی کو اجتہاد مطلق کا اختیار حاصل ہے ۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

"In this paper, I am concerned with the first degree of Ijtihad only, i.e.complete authority in legislation".(p.149)

"میں اس خطبے میں صرف اجتہاد کے درجہ اول کو زیر بحث لاؤں گا یعنی قانون سازی میں اجتہاد مطلق کے اختیار کو" فقہ میں اجتہاد مطلق درجہ اول کا اجتہاد ہے ۔ اور جو شخص یہ اجتہاد کرے وہ مجتہد مطلق کہلاتا ہے ۔ جو اجتہاد کے اصول اور اس کے قواعد و ضوابط خود وضع کرتا ہے ۔ وہ دوسروں کے اصول و قواعد کا پابند نہیں ہوتا ۔ جو دوسروں کے اصولوں کی پابندی کرے وہ مجتہدِ منتسب ہوتا ہے ۔ وہ دوسرے درجے کا مجتہد کہلاتا ہے۔اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جس امام کو اس نے مجتہد مطلق تسلیم کیا ہو اس کے اصولوں کی پابندی میں اجتہاد کرے ۔

علامہ اقبال اجتہاد کے درجہ اول "First degree of Ijtihad" اجتہاد مطلق "Complete authority in legislation" کے داعی ہیں ۔ وہ خود مجتہد مطلق ہیں ۔ ان دو اصطلاحوں کا استعمال وہ اپنے قلم سے خود کر رہے ہیں انہوں نے اپنے اجتہاد کے اصول خود وضع کئے ہیں ۔ اور انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ انہوں نے مآخذ شریعت : قرآن ، حدیث ، اجماع اور قیاس پر جو بحث کی ہے وہ نہایت بصیرت افروز ہے جس سے ان کے اجتہاد کے وضع کردہ قواعد و ضوابط واضح ہوتے ہیں ۔ وہ انفرادی اجتہاد کے بھی قائل ہیں تاکہ جید علماء اور اصحاب فکر و نظر اپنے انفرادی اجتہادات سے قوم کے منتخب نمائندوں کی رہنمائی کریں ۔ مگر ان کے نزدیک عہد حاضر میں ملکی قوانین کی تقنین اور تشکیل کے لئے اجتماعی اجتہاد و تعبیرِ نو قانون ساز اسمبلی کا اختیار ہے ۔ لہذا ان کے رہنما اصولوں اور قواعد و ضوابط کے مطابق معرض وجود میں آنے والا قانون ساز ادارہ اجتہاد مطلق کا اختیار رکھتا ہے ۔

ان مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے ایک آزاد اسلامی

ریاست کا تصور پیش کیا ۔ اس کے حصول کے لئے تحریک چلائی ۔ تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے فکری اور انقلابی پیغام تخلیق کیا ۔ جس کے نتیجے میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی اس کی قانون ساز اسمبلی کو اجتہاد مطلق کا اختیار دیا ۔ اور اس اجتہاد کے اصول وضع کئے ۔ لہٰذا پاکستان کی مقننہ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اپنے محسن، علامہ اقبال کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد مطلق کا فریضہ انجام دے ۔

پاکستانی قوم کا فرض

پاکستانی قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنے رہبر ، علامہ اقبال کے احسانات کو پہچانے ، جن کے فکر و فلسفہ کے طفیل انہیں ایک عظیم الشان جدید اسلامی ریاست کے باعزت اور باوقار شہری بننے کا شرف حاصل ہوا ۔ اس نعمت کے شکرانے کے طور پر وہ ایک ایسی قانون ساز اسمبلی تشکیل دیں ، جو علامہ کے اجتہادی اصولوں پر پوری اترے ، تاکہ وہ جدید علوم ، سائینسی تجربات اور توانا افکار کی روشنی میں قرآن کے اساسی اور بنیادی اصولوں کی تعمیر نو کے ذریعے ، ایک جدید فقہ مرتب کرے ۔ جو فرقہ وارانہ اختلافات ، علاقائی ، لسانی اور صوبائی تعصبات اور معاشی اور معاشرتی تضادات کو بہا لے جائے اور پاکستان ایک متحدہ جدید جمہوری ریاست کے طور پر ابھرے ۔ جس میں عدل و انصاف کی فراوانی ہو ، معاشرتی ، معاشی اور سیاسی مساوات کے اصولوں کی حکمرانی ہو اور پاکستانی قوم اعتصام بحبل اللہ کی اساس پر بنیان مرصوص کے قرآنی تصور کا عملی نمونہ پیش کرے ۔

اقبال کے افکار پر کیوں عمل نہ ہوا ؟

اس سوال کا جواب ابھی تشنہ ہے کہ ریاستی امور اور حکومتی معاملات پر علامہ اقبال کے افکار کو کیوں نظر انداز کیا گیا ؟ حالانکہ ان تصورات میں ایسے امور و معاملات پر وسیع مواد موجود ہے ۔ اس کے کچھ اسباب تو اس مقالے کی ابتدا میں بیان ہوئے ہیں ۔ ایک اور سبب یہ ہوا کہ قبل از تقسیمِ ہند علامہ اقبال نے

برہمنی ذہنیت میں اسلام اور مسلمان کے خلاف پرورش پانے والی عداوت کو اپنی مومنانہ فراست سے بھانپ لیا تھا ۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے علیحدہ اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا ۔ تاریخ شاھد ہے کہ بعض مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی کھل کر مخالفت کی اور بعض نے خاموش تماشائی کی حیثیت سے دشمن کو تقویت پہنچائی ۔ علامہ کے فکر و نظر کی بلوغت اور تاریخی عمل کا زور نظریہ پاکستان کے حق میں تھا ۔ اس لئے ان کی مخالفت اور تماش بینی کے باوجود تحریک پاکستان ریاست پاکستان کی شکل اختیار کر گئی ۔ اس کا تاریخی ، قومی اور سیاسی تقاضا یہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان کے عمل میں اس کے آئین کی تدوین ، ریاستی اداروں کی تشکیل ، معاشرتی و معاشی نظاموں کی ترتیب بھی ان خطوط پر ہوتی جو علامہ اقبال نے اس مقصد کے لئے وضع کئے تھے ۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے بلکہ تاریخ پاکستان کے ساتھ کھلا مذاق ہے کہ جو لوگ تحریک پاکستان میں علامہ کے خلاف سیاسی جنگ ہار گئے تھے ، وہ قیام پاکستان کے بعد تعمیر پاکستان سے متعلق علامہ کے افکار کو دبانے اور انہیں شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ اس طرح جو مقصد وہ تحریک پاکستان کے دوران حاصل نہ کر سکے تھے وہ انہوں نے تعمیر پاکستان کے دوران حاصل کر لیا ۔ انصاف کا ابتدائی اصول ہے کہ کسی کو سنے بغیر سزا نہ دی جائے مگر اقبال کے ساتھ یہ کیسا سلوک ہو رہا ہے کہ ان کے افکار کو آزمائے بغیر انہیں ناکام قرار دیا جائے ! پاکستان کے قیام کے جواز پر طعن کیا جائے!! کیا اقبال کے تصور اخوت کو اداراتی شکل دینے کے بعد ، سندھی ، بلوچی ، پنجابی ، پٹھان اور مہاجر کی لڑائی کو قیام پاکستان کے مضمرات میں شامل کیا جا رہا ہے ؟ کیا اقبال کے اصول مساوات کی بنیاد پر جاگیرداری اور سرمایہ داری ختم کر کے اور معاشی و معاشرتی مساواتی نظام قائم کر کے ، امارت اور غربت کی موجودہ طبقاتی کشمکش کو ان کے پلے باندھا جا رہا ہے ؟ کیا ان کے اصول حریت کے مطابق جمہوری طرز حکومت قائم کرنے کے بعد آمریت پسندی کا الزام ان پر عائد کیا جا رہا ہے ؟ تاریخ گواہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا ۔ اخوت ، مساوات اور حریت کے اصولوں میں سے ایک اصول پر بھی عمل نہیں کیا گیا ، بلکہ صاف حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی سرزمین پر تو مخالفانہ قبضہ کر لیا گیا اور

اس کے اخوت ، مساوات اور حریت کے اشعار کو ریڈیائی لہروں کے ذریعے ہوا اور فضا میں تحلیل کر دیا گیا ۔ مصور پاکستان کی پاک سرزمین تو قبضۂ مخالفانہ میں چلی گئی اور اس کی فضا اقبال کے لئے چھوڑ دی گئی ۔ اقبال پاکستان کا مصور ہے تو پاک سرزمین اس کے تصور کا میچ چاہتی ہے ۔ کوئی تصور حقیقت کی شکل اختیار نہیں کر سکتا جب تک اسے اگنے ، نشو و نما پانے اور پھلنے پھولنے کے لئے زمین میسر نہ ہو ۔ مگر یہ اقبال کے ساتھ بے انصافی ہے کہ اس کے تصور کو تو ہوا میں تحلیل کر دیا جائے یا دبا دیا جائے اور طعنہ دیا جائے کہ وہ بے برگ و بار ہے ۔ پاکستانی قوم کی اپنے محسن کے ساتھ بے وفائی کی یہ بدترین مثال ہے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدرت نے اس قوم کو فرقہ واریت ، صوبائیت ، لسانیت ، علاقائیت ، غربت ، جہالت اور بیماری کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا ۔

اب آخری چارہ کار یہ رہ گیا ہے کہ قوم اپنی بے وفائی کا کفارہ ادا کرے ۔ اپنے محسن سے معافی مانگے ۔ جتنا پاکستان باقی رہ گیا ہے اس کے حفظ و بقاء ، وحدت و یکجہتی اور تعمیر و تشکیل کے لئے علامہ اقبال نے جو تعمیری ، فکری اور تخلیقی مواد جمع کیا تھا اسے استعمال میں لائے ۔ علامہ اقبال کے تعمیری مواد میں اتنی قوت اور توانائی موجود ہے کہ شکستہ پاکستان کو بھی ایک متحدہ ، مضبوط اور مستحکم جدید اسلامی ریاست میں بدل سکتا ہے ۔ علامہ کے عقیدت مندوں کو اس خوف سے اپنے آپ کو آزاد کر لینا چاہیے جو تحریک پاکستان کی شکست خوردہ ذہنیت نے اب دوبارہ پیدا کر رکھا ہے ۔ اگر علامہ کے عقیدت مند اسی جذبے اور ولولے سے سرشار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں جو ان میں تحریک پاکستان کے دوران پیدا ہوا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ تعمیر پاکستان کے اس عمل میں اسی طرح کامیاب نہ ہوں جس طرح وہ تحریک پاکستان کے دوران کامیاب ہوئے تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے وقت بھی مسلمانوں کو اپنی ہی صفوں سے خطرہ لاحق ہوا تھا اور تعمیر پاکستان کے دوران بھی یہ خطرہ جتنا اپنوں نے پیدا کر رکھا ہے اتنا بیگانوں سے نہیں ۔ لہذا قوم کو ہمت سے کام لے کر علامہ کے افکار کے مطابق پاکستان کو ایک جدید اسلامی ریاست بنانے کے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہونا چاہیے ۔

باب دوم

☆ اقبال ، اجتہاد اور پاکستان

اجتہاد اور اختلاف رائے

تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں علامہ اقبال کے اجتہاد کو فیصلہ کن عامل کی حیثیت حاصل ہے پاکستان کی تخلیق میں علامہ اقبال نے ایک مجتہد اور مجدد کا کارنامہ انجام دیا ۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو ان کے مجتہد اور مجدد ہونے پر اختلاف ہو ۔ اگر وہ اپنے اختلاف کا اظہار علمی انداز اور تحقیقی اسلوب میں پیش کریں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہئیے کیونکہ اختلاف رائے باعث رحمت ہے ۔ اگر اختلاف رائے کو الزام تراشی ، اشتعال انگیزی ، طعن و تحقیر کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسا اختلاف رحمت کی بجائے زحمت بن جاتا ہے۔ایسی صورت میں الزام تراشی اور اشتعال انگیزی کا مقصد علمی بحثوں میں احقاقِ حق اور ابطال باطل نہیں ہوتا بلکہ تلبیس حق و باطل ہوتا ہے اس کی غرض افتراق اور انتشار پیدا کرنا ہوتی ہے تاکہ اصل علمی بحث دب جائے اور زیر بحث موضوع کے مرکزی نکات نظر انداز ہو جائیں ۔ اس کی جگہ علمی بحث کرنے والے کی ذات پر کیچڑ اچھالا جائے ۔ جھوٹے ، خود ساختہ اور بے بنیاد نظریات اس کی طرف منسوب کر کے قارئین میں اس کے خلاف نفرت ، حقارت اور تشدد کے جذبات ابھارے جائیں ۔ تاکہ وہ مرعوب ہو کر کتاب و سنت کی روشنی میں قوم کو درپیش مسائل پر خالص علمی اور تحقیقی بحث نہ کر سکے ۔

اس وقت بحث علامہ اقبال کے نظریہ اجتہاد پر ہو رہی ہے. دیانت اور اخلاقی اصولوں کا تقاضا ہے کہ ان کے نظریہ اور صداقت کی توثیق کی جائے اور اس پر تعمیری تنقید کی جائے ۔ یہ علمی انداز اور تحقیقی منہاج ہے اسے اصحاب دین و دانش اپناتے ہیں اگر تعمیر و تنقید کی جگہ تخریب و تحقیر کو اپنایا جائے تو اسے اصحاب دین و دانش کا طرز اور اسلوب قرار نہیں دیا جا

سکتا ۔ یہ علم و سائنس کی دنیا ہے اس میں قارئین دونوں نقطہ نظر کا علمی اور سائینسی تجزیہ کر کے اس نظریے کو قبول کر لیتے ہیں جو دین ، علم ، تجربے اور مشاہدے کے محکم دلائل پر مبنی ہو اور اس تصور کو رد کر دیتے ہیں جو الزام تراشی ، اشتعال انگیزی ، جزباتیت ، طنز و تشنیع اور تحقیر و تضحیک اور تلبیس حق و باطل کے رنگ میں پیش کیا گیا ہو ۔ بعض لوگ خالص علمی بحثوں کو اسلام اور کفر کی جنگ میں تبدیل کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔وہ اپنی مناظرانہ مشق اور مہارت کو بلا سوچے سمجھے پکے اور سچے مسلمانوں کے ایمان پر آزماتے ہیں اور بلاخوف خدا انہیں دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا شوق پورا کرتے ہیں ۔ اگر اسلام اور ایمان کا دارومدار بندۂ مومن کے دل کی بجائے ایسے لوگوں کے فتوؤں پر ہوتا تو اس وقت امت مسلمہ اپنی کثرت پر فخر کرنے کی بجائے اپنی قلت پر نادم ہوتی ۔ کیونکہ ہر فرقہ دوسرے کے نزدیک گمراہ اور خارج از اسلام ہے ۔ نیتوں اور ارادوں کے بھید اللہ جانتا ہے وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کہ ایک سچے مسلمان کو اسلام سے خارج قرار دینے والا مفتی خود خارج از اسلام ہے یا وہ پکا اور سچا مسلمان جو قرآن کو آخری ، قطعی اور حتمی کلام الہی مانتا ہے اور حضرت محمدؐ کی ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہے ؟ علامہ اقبال کو جن مفتیوں نے کافر قرار دیا تھا اور جنہوں نے قائداعظم کے کافراعظم ہونے کا فتوی دیا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ مفتیان کرام اس وقت اس دنیا میں موجود نہ ہوں مگر ان کے مقلد اور مرید تو زندہ ہیں ۔ ہماری تاریخ کا یہ انتہائی دلچسپ اور عبرتناک واقعہ ہے کہ یہ مقلدین اور مریدین علامہ اقبال اور قائداعظم کے ایمان اور اسلام پر اس وقت جتنا یقین رکھتے ہیں یا کم از کم اپنے خطبات ، اعلانات ، بیانات اور تقاریر میں اس کا اظہار کرتے ہیں اور جس طرح وہ ان دونوں پر خالص عربی لحن میں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ، وہ کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے خود ان کے اپنے مرشدوں اور مفتیوں سے بادی النظر میں زیادہ دکھائی دیتا ہے اب وہ خود فیصلہ کریں کہ علامہ اقبال کو کافر کہنے والے اور قائداعظم کو کافراعظم قرار دینے والے فقیہہ اور مفتی اپنے فتوؤں میں حق بجانب تھے یا ان کے مریدین اور مقلدین ؟ میں خود درس نظامی کے فارغ التحصیل فاضل اور ہزاروں درس نظامی کے فارغ التحصیل مستند ، جید اور

ممتاز علماء دین کے معلم کی حیثیت سے دیانتدارانہ رائے رکھتا ہوں کہ انفرادی فتوؤں کے ذریعے مسلمانوں کو کافر بنانے کا کاروبار نفع بخش نہیں ۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں گھاٹے کا سودا ہے ۔ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو دین اور دنیا دونوں میں نفع ہے ۔ پہلے بادشاہوں کا زمانہ تھا بعض اہل علم و دانش بادشاہ کو برداشت نہ ہوتے تھے اور بعض فقہاء کے لئے ناقابل برداشت ہوتے تھے اس لئے انفرادی فتوؤں سے کفر و اسلام کا فیصلہ ہو جایا کرت تھا ۔ اجتماعی اجتہاد کے موجودہ جمہوری دور میں اب ایسا ممکن نہیں رہا ۔

ہماری تاریخ کا سبق آموز واقعہ ہے کہ ماضی میں جن عظیم مسلمان مجتہدین اور مفکرین کو اختلاف رائے کی وجہ سے سزائیں دلوائی گئیں وہی ملت اسلامیہ اور امت محمدیہ کے حقیقی رہبر و رہنما ثابت ہوئے۔امام جعفر صادق ، امام ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل پر جو تشدد ہوا اور انہیں جو اذیت ناک سزائیں دی گئیں ، ان کا اجراء درباری مفتیوں کے فتوؤں کے بعد ہی ہوا تھا ۔ جب علامہ اقبال اور قائداعظم پر کفر کے فتوے لگے اس وقت اگر ہماری قدیم فقہ ملوکیت رائج ہوتی تو ان پر بھی اسی طرح عمل ہوتا جیسے ملوکیت کے دوران پہلے عمل ہوتا رہا تھا ۔ ایک مسلمان کا کافر ہو جانا اس کا مرتد ہو جانا ہے اور مرتد کی سزا موت ہے۔اس اعتبار سے ان فتوؤں کی رو سے قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں واجب القتل تھے ۔ اگر ملوکیت قائم ہوتی تو انہیں اسی طرح پھانسی کی سزا ہوتی جیسے منصور الحلاج کو سولی پر چڑھایا گیا تھا۔دور جمہوریت میں ایسا ممکن نہیں۔اب زمانہ بدل گیا ہے ۔ اب ملوکیت کی جگہ جمہوریت قائم ہے اب مسلمان کو کافر یا خارج از اسلام قرار دینا پارلیمنٹ کا یا اس کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق عدالت کا کام ہے ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مذہبی لوگ جمہوریت کو خلاف اسلام قرار دیتے ہیں کیونکہ جن مسلمانوں کو وہ کافر قرار دیتے ہیں انہیں فوراً سولی پر نہیں چڑھایا جاتا ۔ دورِ جمہوریت میں سزا دینے کے لئے ثابت کرنا پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کیسے کافر ہوگیا ؟ اللہ کی آخری وحی قرآن کا اس نے کب انکار کیا ؟ حضرت محمدؐ کی ختم نبوت کا وہ کیسے منکر ہوا ؟ پاکستان کے آئین کے خلاف اس نے کب اور کیسے بغاوت کی ؟ ان سب امور کا واضح اور حتمی ثبوت عدالت میں پیش کرنا

پڑتا ہے ۔ کسی مسلمان کو خارج از اسلام قرار دینے کے لئے قانون اور عدالت کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں، گواہ اور ثبوت پیش کرنے پڑتے ہیں، فہرست الزامات کے ایک ایک لفظ اور اس کے ایک ایک جز پر بحث کرنی پڑتی ہے ۔ گواہوں پر جرح ہوتی ہے ۔ اس پورے عمل سے کامیابی کیساتھ گزرنے کے بعد عدالت مطمئن ہوتی ہے اور اپنا فیصلہ دیتی ہے ۔ اس کے برعکس آمریت اور ملوکیت کا طریق کار براہ راست ہوتا ہے ۔ اس میں فتوے کے بعد آمر پھانسی کا حکم صادر کر دیتا ہے۔عہد ملوکیت میں متعدد مفکرین کو اسی طرح سزا ہوئی۔یہ ماضی کی تاریخ ہے مگر دور جدید کی جمہوریت میں ایسا ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں ممکن تھا ۔ حضرت محمدؐ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ کئی لوگ دل سے کافر تھے وہ منافقت سے مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے تھے ۔ آپ کے ذاتی علم کے علاوہ خود اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کی نشاندہی کی تھی اور قرآن نے ان کو منافقین کہا تھا ۔ مگر رسول اللہ نے انہیں سزا نہ دی کیونکہ بظاہر انہوں نے نہ کفر کا اعلان کیا اور نہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کر کے جدال و قتال کی راہ اختیار کی تھی ۔ اسلامی جمہوری ریاست قرآن و سنت کے انہی بنیادی اور اساسی اصولوں پر قائم ہوتی ہے مگر ملوکیت اور آمریت قرآن و سنت کے ان اصولوں کو نظرانداز کر کے اللہ کے حکم کی جگہ اپنا حکم چلاتی ہے ۔ علمی اور تحقیقی مسائل میں اختلاف رائے کو کفر قرار دے کر اختلاف کرنے والوں کو موت کی سزا دیتی ہے حالانکہ ہم نے دیکھا کہ عہدِ رسالت کے سربراہِ ریاست اور آپ کی حکومت ، پوری طرح جانتے ہوئے کہ بعض لوگ کافر ہیں ، اختلاف رائے تو معمولی بات ہے، اس کے باوجود کوئی سزا نہ دی اور نہ ان کے حقوق معطل کئے ۔ یہ خود اسلام کے اصول ہیں جنہیں ملوکیت نے دبا رکھا تھا جن کا اب پھر احیاء ہو رہا ہے ۔ اسلام کے ان اساسی اصولوں کی بنیاد پر جدید اسلامی ریاست قائم ہوتی ہے جس میں تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق ، قانون کی بالا دستی اور شہری آزادیوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہوتی ہے ۔ ان حالات میں قارئین اسی رائے کو وزن دیتے ہیں جو دین ، علم ، عقل ، تاریخ ، تجربے اور مشاہدے کے مستحکم دلائل پر مبنی

ہو ۔

اس تمہید کے بعد اب آئیے اس موضوع کا علمی مطالعہ کریں کہ علامہ اقبال نے جو کارنامہ انجام دیا ، کیا واقعی وہ ایک مجدد اور مجتہد کا کارنامہ ہے یا مصنوعی طور پر ان کا قد بڑھانے کی کوشش ہے ؟

فکر اسلامی کی تشکیل جدید پر علامہ کا اجتہاد

علامہ اقبال کے بارے میں یہ سوال بالکل بجا ہے کہ انہوں نے کونسا ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مجتہد مطلق کہلائے ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایک جدید اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اجتہاد کیا ۔ اس ریاست کے حصول کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا جس کے مطابق پاکستان جیسی عظیم جدید اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی ۔ تاریخ اسلام میں علامہ اقبال واحد مجتہد ہیں جن کے اجتہاد نے ایک اسلامی مملکت کو وجود بخشا۔ان کے اس اجتہاد کی بلندی کو کوئی مجتہد نہ پہنچ سکا ۔ ماضی کے مجتہدین ، فاتحین کے مفتوحہ ممالک میں اجتہاد کرتے تھے ۔ علامہ اقبال نے ملک بھی اپنے اجتہاد سے حاصل کیا اور اس ملک کو درپیش جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے اجتہاد بھی کیا ۔ اس کارنامے میں علامہ اقبال تمام مجتہدین میں ممتاز اور منفرد مقام کے مالک ہیں۔انہوں نے فکر اسلامی کو جدید خطوط پر مرتب کیا اور افکار کی تشکیل جدید کے لئے رہنما اصول وضع کئے جو ایک مجتہد اور مجدد کا کام ہوتا ہے ۔ انہوں نے ایک عظیم جدید اسلامی ریاست کے دستور کے رہنما اصول دیئے ، دور جدید میں اجتہاد اور استنباط کے اصول وضع کئے ، خود اجتہاد کر کے رہنمائی کی کہ عہد حاضر میں اجتہاد کیسے کیا جائے ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مختصر جواب بعض لوگوں کو مطمئن نہ کر سکے کیونکہ جو لوگ تخلیقی افکار اور جدید نظریات کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور روایتی انداز میں اصطلاح اجتہاد کے استعمال کے عادی ہیں ، ان کے لئے دور جدید کی اصطلاحات کو سمجھنا واقعی دشوار ہے۔مثلاً علامہ اقبال نے ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی کے اس فیصلے کے لئے "اجتہاد" کی اصطلاح استعمال کی ہے جس میں خلافت یا امامت کو کئی افراد پر مشتمل ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔وہ اسے "Turkey's Ijtihad" ترکی کا اجتہاد قرار دیتے ہیں ۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت

ہے کہ ترکی کا فیصلہ سیاسی اور قومی تھا ۔ روایتی معنوں میں زمانۂ قدیم کے مجتہدین کی طرز کا اجتہاد نہ تھا مگر چونکہ ایک جدید اسلامی ریاست کا فیصلہ تھا جس نے اسلامی تعلیمات ، جدید علوم اور درپیش مسائل کے مکمل ادراک کے بعد ایسا کیا تھا لہٰذا علامہ اقبال نے اس کے لئے اجتہاد کی اصطلاح کا استعمال کیا ۔ جو لوگ اسلام کے جمہوری اصولوں پر مبنی نظام حکومت کے قائل نہیں ان کے لئے اس موقع پر اجتہاد کی اصطلاح کا استعمال سخت نا مانوس محسوس ہو گا مگر عہد حاضر میں معاشی ، معاشرتی ، تہذیبی ، عدالتی ، زرعی اور تمدنی معاملات پر کتاب و سنت کی روشنی میں گہرے غور و خوض کے بعد علامہ کے پایے کا شخص جو رائے قائم کرے گا وہ اجتہاد ہی کہلائے گی ۔ زمانہ قدیم کے فقہاء مکاتب ، ولاء اور عتاق جیسے مسائل پر غور و فکر کر کے جو رائے قائم کرتے تھے وہ ان کا اجتہاد کہلاتا تھا ۔ دور حاضر میں استعمار سے آزادی ، خود مختار اسلامی ریاست کے لئے دستور سازی ، بنیادی انسانی حقوق ، شہری آزادیاں ، قانون کی بالادستی ، ذرائع پیداوار کی انفرادی یا اجتماعی ملکیت ، قومی دولت کی مساوی یا طبقاتی تقسیم جیسے امور پر کتاب و سنت کی روشنی میں غور و فکر کر کے ایک مسلمان مفکر اور محقق جو رائے قائم کرے گا وہ اس کا اجتہاد ہو گا ۔ ایسے اجتہادات کی روشنی میں اس ریاست کی پارلیمنٹ تعبیر شریعت کے اختیار کے تحت قانون سازی کرے گی ۔ انہی اصولوں کی طرف علامہ اقبال نے رہنمائی کی ۔ یہی ان کا اجتہاد ہے ۔

جن لوگوں نے صرف علامہ کے شعر پڑھے ہیں اور خاص طور پر وہ شعر جو تحریک پاکستان اور عالم اسلام کی بیداری کے لئے کہے گئے تھے وہ یہ کہنے میں شاید حق بجانب ہوں کہ علامہ اقبال نہ مجدد تھے اور نہ مجتہد ۔ کیونکہ ان لوگوں نے علامہ کے نہ وہ شعر پڑھے ہیں جو تعمیر ریاست سے متعلق ہیں جن میں معیشت ، معاشرت اور سیاست کے اصول بیان ہوئے اور نہ اس کلام پر غور کیا ہے جس میں جدید مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ کے اصول بیان ہوئے ہیں اور نہ اس کلام پر غور کیا ہے جس میں جدید مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ کے اصول و قواعد پیش کئے گئے ہیں ۔ ایسے لوگوں کی دوسری معذوری یہ ہے کہ علامہ کی وہ نثر جس میں انہوں نے تعمیر ریاست سے متعلق اپنے اجتہادات بیان کئے ہیں وہ انگریزی زبان میں

ہے ۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ علامہ کی انگریزی ادبیاتِ عالیہ اور بلاغتِ عظمی کی زبان ہے وہ الہیات ، طبیعیات ، فلسفہ ، اصولِ قانون، جدید تہذیب و ثقافت ، سائینس اور ٹیکنالوجی کی ترقی یافتہ فنی اور اصطلاحی زبان ہے جو طرز تحریر اور منہاج تحقیق کے بلند ترین معیار اور اسلوب میں ڈھلی ہوئی ہے ۔ جو شخص امتحانی ضرورت کے تحت انگریزی پڑھا لکھا ہو وہ علامہ کے ان اجتہادات سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتا ۔ جو لوگ انگریزی سے بالکل نابلد ہیں وہ تو علامہ کے اجتہادات سمجھنے میں بجا طور پر بالکل معذور ہیں وہ پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبال محض ایک شاعر اور فلسفی تھے وہ مفکر اور مجتہد نہ تھے اگرچہ انگریزی زبان میں علامہ کے اجتہادات کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے مگر ایک تو ترجمہ بہت علمی ہے دوسرے وہ عام طور پر دستیاب بھی نہیں مگر اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں فکری اور نظریاتی دیانتداری بدرجہ اتم موجود ہے آئندہ بھی اس کا التزام ضروری ہے علامہ اقبال کے نام پر قائم اداروں پر اب تک کروڑوں روپے خرچ ہو چکے ہیں مگر کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کو ان کے انگریزی خطبات کا عام فہم ترجمہ شائع کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی ۔ علامہ کے اجتہادات ان کے خطوط میں بھی موجود ہیں ۔ جو انہوں نے اپنے ہمعصروں کے نام وقتاً فوقتاً تحریر کئے یہ بھی انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں ۔ ان کی نوعیت تاریخی ، علمی اور تحقیقی ہے جو خاص علمی اسلوب اور ادبی انداز میں لکھے گئے ہیں اور بعد میں مرتب ہوئے ہیں ۔ ان کی تدوین اور ترتیب، موضوع اور مضمون کے مطابق ابھی تک نہیں کی گئی اس لئے اجتہاد اور استنباط کے نقطہ نظر سے ان کا مطالعہ اکثر لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے اور جن لوگوں نے علامہ کے ان خطوط و مکاتیب کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ان کا مطالعہ کیا ہے وہ اپنی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے یقین کے ساتھ دعوی کر سکتے ہیں کہ علامہ نے کوئی اجتہاد نہیں کیا کیونکہ علامہ کے افکار و نظریات کا یہ ذخیرہ ان کے علم ہی میں نہیں ۔ ان جیسے عوامل کی بنیاد پر بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبال نے کوئی اجتہادی کارنامہ انجام نہیں دیا اور وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ علامہ اقبال نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے وہ مورد الزام ہے ۔ مگر

ظاہر ہے کہ یہ کہہ کر وہ اپنی بے خبری کا اعلان تو کر سکتے ہیں حقیقت حال کو چھپا نہیں سکتے ۔ علامہ اقبال کے اجتہادات ان کی معرکتہ الآراء انگریزی کتاب:

"The Reconstruction of Religious Thought in Islam"

اقبال کے اجتہادات

میں موجود ہیں ۔ جس کا اردو ترجمہ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے نام سے جناب نذیر نیازی نے شائع کیا تھا ۔ علامہ اقبال نے اپنے اجتہاد ، افکار اور نظریات انتہائی منظم ، مربوط اور منضبط صورت میں اس کتاب میں پیش کئے ۔ یہ انگریزی نثر کی کتاب ہے اور نثر میں جو افکار اور تصورات پیش کئے جاتے ہیں وہ ٹھنڈے دل و دماغ ، گہرے شعور ، منظم فکر ، مربوط خیالات اور منضبط نظریات پر مشتمل ہوتے ہیں۔وہ نظم کی طرح گردو پیش کے فوری واقعات سے متاثر ہو کر نہیں لکھے جاتے اور نہ وہ ماحول کے جذباتی ترجمان ہوتے ہیں ۔ بلکہ دینی اور جدید علوم کے عمیق مطالعے ، پختہ فکر ، تاریخی شعور ، سائینسی تجزیے معروضی مشاہدات ذاتی رجحانات اور ملی تقاضوں پر مبنی ہوتے ہیں ۔ جو متعین مقاصد اور دور رس نتائج اور اثرات کے حصول کے لئے پیش کئے جاتے ہیں ۔ اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی نثر اور نظم میں اگر اختلاف ہو تو نثر کو نظم پر ترجیح حاصل ہو گی ۔ کیونکہ نظم میں وقتی حالات اور ہنگامی واقعات کی فوری اور جذباتی ترجمانی ہو سکتی ہے مگر نثر بالعموم مستقل اور دائمی افکار و نظریات کی ترجمان ہوتی ہے۔اگرچہ علامہ کی نظم کا بیشتر حصہ مستقل اور دائمی تصورات کا ترجمان ہے لیکن اس میں شاعرانہ خیالات اور فلسفیانہ نظریات کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ اس صورت حال کے پیش نظر علامہ کی نثری اور شعری تعلیمات میں سے مستقل ، پائیدار اور دائمی نظریات ، اور وقتی ، ہنگامی اور جذباتی تصورات کو علیحدہ سمجھنے کے لئے کچھ اصول وضع کرنے پڑیں گے ۔ علامہ کی تعلیمات سے استفادے کی خاطر ایسے اصولوں کی اب تک توضیح ہو جانی چاہئے تھی جو نہیں ہوئی ۔ یہی وجہ ہے کہ مفاد پرست طبقوں کو اگر علامہ کی نظم سے اپنے مفاد کی تائید نظر آئی تو نظم کو سند کے طور پر پیش کر دیا اور اگر نثر سے مفاد پورا ہوتا نظر آیا تو نثر کو پیش کر دیا مگر متعلقہ موضوع پر ان کی نظم اور

نثر دونوں کو سامنے رکھ کر ان میں سے مستقل اور وقتی کے درمیان حد فاصل قائم نہ کی اس طرح بعض نے وقتی کو مستقل قرار دے کر اسے اپنے مفاد میں استعمال کیا اور بعض نے مستقل کو وقتی قرار دے کر اسے نظرانداز کر دینے کی روش اختیار کی ۔ اس طرح ایک تو علامہ اقبال کی تعلیمات کو ذاتی اور گروہی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا لیا گیا ۔ دوسرے انہیں محض شاعرانہ اور فلسفیانہ خیال آرائی قرار دے دیا گیا ۔ تیسرے ان میں تضادات بیان کر کے انہیں ناقابل عمل ثابت کیا گیا مگر یہ ناکام کوشش ہے کیونکہ دنیا کے ہر بڑے مفکر اور مصلح کے افکار اور نظریات میں ارتقاء کا اصول ایک مسلمہ امر ہے ۔ یہ اصول اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے جب وہ مفکر اور مصلح شاعر بھی ہو ۔ یہی علامہ اقبال کے ساتھ ہوا ۔ مگر ان کے ساتھ سب سے زیادہ بے انصافی ہوئی کیونکہ ایک تو ان کے فکری ارتقاء کی تاریخ ابھی تک مرتب نہیں ہوئی جس کی وجہ سے متذکرہ گروہوں کو اپنے اپنے مفروضات قائم کرنے کا موقع ہاتھ آیا ۔ دوسرے ان کی اردو اور خاص طور پر انگریزی زبان میں نثری تعلیمات کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ۔ محض نظم کو ان کے افکار کا مجموعہ قرار دے کر ان کے متعلق مزعومات گھڑ لئے گئے ۔ مفکرین عالم کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان میں علامہ اقبال کے ساتھ ہونے والی یہ زیادتی سب سے بڑی اور سنگین ہے۔چونکہ یہ ایک مستقل موضوع ہے ہم زیر بحث مقالے میں اس پر تفصیل سے نہیں لکھ سکتے' اس لئے اسے کسی دوسری فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں ۔ سردست ہم صرف ایک اصول پیش کرتے ہیں ۔ جس پر عمل کے بغیر علامہ کی تعلیمات کو سمجھنا ناممکن ہے ۔ وہ اصول یہ ہے کہ جب وقتی ، ہنگامی اور جذباتی تصورات اور خیالات پر مبنی نظم اور مستقل ، دائمی اور پائیدار نظریات پر مبنی نثر میں اختلاف اور تضاد نظر آئے تو نثر کو نظم پر ترجیح حاصل ہو ۔ جو کچھ زبان شعر میں کہا جاتا ہے وہ لاکھ حقائق پر مبنی ہو اس کے باوجود ایسا واضح ، متعین اور مستند نہیں ہو سکتا جیسے نثر میں لکھی ہوئی کتاب ہو سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر میں لکھی ہوئی انگریزی خطبات کی کتاب ان کی نظم پر بھاری ہے ۔ یہ وہی کتاب ہے جس کی بناء پر مشرق و مغرب نے ان کی علمیت کا لوہا مانا ہے ۔ مگر بد قسمتی سے جس قوم کے لئے انہوں نے یہ

کتاب لکھی اس نے اسے طاق نسیان پر رکھ دیا ۔ اب اگر کوئی شخص ان کی اس کتاب کو پیش کرتا ہے تو وہ اس کے خلاف محاذ بنا لیتے ہیں ۔ علامہ کے افکار کو اس کی طرف منسوب کر کے اس پر تخریبی تنقید کرتے ہیں ۔

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید پر علامہ کا اجتہاد

آخری عمر میں علامہ اقبال فقہ کی تشکیل جدید کے شدید احساس میں مبتلا تھے ۔ وہ اسلام کی نئی فقہ مرتب کرنے کے بڑے آرزومند تھے ۔ انہوں نے "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" بزبان انگریزی جو کتاب لکھی تھی اس میں دور جدید میں اجتہاد کے اصول بیان کر دیئے تھے یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں مکمل ہو گئی تھی ۔ اس کے دو سال بعد ۱۹۳۰ء میں انہوں نے خطبہ الہ آباد میں ایک جدید اسلامی ریاست پاکستان کے قیام پر مبنی اجتہاد پیش کیا ۔ ان کا یہ اجتہاد اتنا مقبول ہوا کہ برصغیر کے مسلمان اسے عملی شکل دینے کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گئے۔اس سے علامہ اقبال کو یقین ہو گیا تھا کہ پاکستان معرض وجود میں آکر رہے گا ۔ اس یقین نے انہیں بے چین کر دیا ۔ انہیں احساس تھا کہ جب پاکستان بن جائے گا تو اسے نئی فقہ کی ضرورت ہو گی ۔ نئی فقہ نئے اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں ۔ نیا اجتہاد ، اجتہاد کے نئے اصول چاہتا ہے ۔ قدیم فقہ اور اس کے اصول فقہ نئے اجتہاد کے لئے کارآمد نہیں رہے تھے ۔ انہی احساسات کے تحت انہوں نے نئے اجتہاد پر مبنی نئی فقہ مرتب کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے۔چونکہ اس وقت اسلامی ریاست قائم نہ تھی اور نہ ہی اسلامی پارلیمنٹ موجود تھی اس لئے انہوں نے آئندہ قائم ہونے والی جدید اسلامی ریاست میں کئے جانے والے اجتہاد کے رہنما اصول وضع کرنے کا منصوبہ تیار کیا ۔ انہوں نے اس منصوبے کا خاکہ خود اپنے ہاتھ سے تحریر کیا جو انہوں نے اپنے منشی جناب میاں محمد شفیع (م ۔ ش) کے سپرد کیا تاکہ اس کی تفصیلات انہیں املا کروا سکیں ۔ علامہ اقبال کا یہ اجتہادی منصوبہ جناب بی ۔ اے ڈار کی محنت اور کوشش سے "Letters & Writings of Iqbal" میں چھپ چکا ہے ۔ اس کی تفصیل جناب میاں محمد شفیع کی انگریزی تحریر کے اردو ترجمے کی صورت میں پڑھیئے۔وہ لکھتے

ہیں :

"۱۹۳۵ء میں مجھے حضرت علامہ اقبال کے منشی کی حیثیت سے کام کرنے کی سعادت حاصل تھی ، انہوں نے مجھے کچھ کاغذات مرحمت فرمائے جو خود ان کے قلم سے لکھے ہوئے تھے ۔ یہ اس منصوبے کا خاکہ تھا جس پر وہ ایک کتاب "مقدمہ مطالعہ اسلام بحوالہ خصوصی فقہ اسلام" کے نام سے لکھنا چاہتے تھے چونکہ ان کی بینائی دن بدن کمزور ہو رہی تھی اس لئے ان کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی زیر نظر کتاب کو مجھے املا کروا دیں ۔ یہ انگریزی کتاب اسلامی سیاست اور اسلامی فقہ کے متعلق ایک عہد ساز اور مستند کتاب ہوتی ۔ لیکن افسوس کہ ان کی صحت اس تیزی سے خراب ہوتی گئی کہ وہ اپنے منصوبے کو مکمل نہ کر سکے حتی کہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ان کی شمع حیات بجھ گئی یہ منصوبہ ابتدآء والئ بھوپال نے حضرت علامہ کے سپرد کیا تھا اس وقت سے علامہ کے نوٹس پر یہ منصوبہ میرے پاس قومی امانت کے طور پر تھا ۔ ایک دفعہ قائد اعظم کے علم میں آیا انہوں نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۳ء کو مجھے لکھا کہ "فقہ اسلامی کی تشکیل جدید" Reconstruction of Islamic Jurisprudence کے متعلق اقبال جو کتاب لکھنا چاہتے تھے ، میں اس کے متعلق ان کے منصوبے کے نوٹس دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے بعد مَیں اس پر غور کر سکوں کہ کونسی قابل شخصیت ایسی ہے جو اس کام کی تکمیل کر سکے گی ۔ چونکہ موضوع کا تعلق فقہ اسلامی سے ہے اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کوئی قانون دان اس کا حق ادا کر سکے گا" ۔ چونکہ حضرت علامہ کا یہ منصوبہ پنسل سے لکھے ہوئے نوٹس پر مشتمل تھا اس لئے مرورِ زمانہ سے ان کے نقوش مدھم پڑتے چلے جا رہے تھے ۔ ۱۹۴۷ء میں جب میں سنٹرل جیل ملتان میں نظربند تھا تو میں نے ان کے نوٹس کو اپنے قلم سے الگ لکھ لیا تھا ۔ اب میں یہ نوٹس بغیر کسی ردّ و بدل کے قوم کے سپرد کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ جو حضرات اس کی استعداد رکھتے ہوں وہ حکیم الامت کی منشا کے مطابق ایک ایسی کتاب تصنیف کر سکیں جو ہماری حیات ملی میں ایک زندہ عنصر کی حیثیت رکھتی ہو ۔"

(اجتہاد کے موضوع پر علامہ اقبال کی مجوزہ کتاب پر جناب میاں محمد شفیع کی تعارفی تمہید یہاں ختم ہوتی ہے ۔ اس کے بعد پوری کتاب کا مفصل اور جامع

خاکہ درج کیا گیا ہے ۔ یہ پورا خاکۂ کتاب اہم ترین ملی سرمایہ ہے مگر افسوس ہے کہ اسکی طرف کسی نے توجہ نہیں دی ۔ اگر علامہ اقبال کے وضع کردہ خطوط پر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو آج پاکستان کی بہت سی آئینی ، قانونی ، اور عدالتی مشکلات آسان ہو جاتیں ۔ اس کتاب کا پورا خاکۂ مضامین مفکر اسلام کی فکر کا نچوڑ ہے ۔ اس میں یہ نکات خاص طور پر نمایاں ہیں :

جدید اجتہاد کے اصول

"اسلام میں قوت اور زندگی ہے : تاریخ میں کئی مواقع ایسے آئے ہیں جن میں اسلام نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں ایسی قوت موجود ہے کہ وہ ان غیر اسلامی عناصر سے اپنا دامن پاک کر لے جو اس میں داخل ہو گئے ہیں ۔ اسلام اور سلطنت : عربی سلطنت کے اسلام پر اثرات ، عربوں نے روم اور ایران کو تو تباہ کیا ، لیکن خود ایک شاہنشاہیت قائم کر لی ۔ سلطنت سازی کے اسباب کچھ ہی ہوں اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلا ۔ سلطنت کی فتوحات ان لوگوں کو اسلام کے دائرے میں لے آئیں جو قدیم خانقاہیت کے حامل تھے اور جنہیں سپنگلر مجوسی کہہ کر پکارتا ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام ، زمانہ قبل از اسلام کے مذہب میں تبدیل ہو کر رہ گیا اور اس میں ان مذاہب و مسالک کے تمام متنازعہ فیہ مباحث شامل ہو گئے (روح ، نفس ، قرآن ، حادث ، قدیم وغیرہ) لہذا حقیقی اسلام کے آگے بڑھنے کے بہت کم مواقع رہ گئے ۔ اسلام کے جدید طالب علم کی مشکلات : اسے انبار در انبار لٹریچر کے طومار میں سے گزرنا ہو گا اور قرآن کا گہرا مطالعہ کرنا ہو گا میں نے ایسا ہی کیا ہے ۔ اب میں نہایت دیانتداری سے کوشش کروں گا جسے میں حقیقی اسلام سمجھتا ہوں اسے آپ کے سامنے پیش کر سکوں ۔ اسلام کیا ہے ؟ کیا یہ مذہب ہے ؟ (اقبال نے مختلف مذاہب کا ذکر کر کے لکھا) اسلام ان تمام مذاہب کے خلاف صدائے احتجاج تھا جو اس کے ظہور کے وقت دنیا میں موجود تھے ۔ خدا پر ایمان ، نوع انسانی سے نسلی تفریق کا مٹانا ۔ معاشی مساوات (قل العفو) ۔ کلیسا اور ریاست ۔ اسلامی قانون ۔ کیا اسلام میں امت ایک فقہی تشخص ہے ۔ ریاست اور کلیسا کا تعلق ۔ ریاست

کیا ہے نکاح کی طرح ایک معاھدہ ۔ وراثتی ملوکیت ۔ مسلمانوں میں پاپائیت کی تاریخ ۔ اسلام اور عورت ۔ اسلام اور سرمایہ داری خدا کا تصور رفیق کی حیثیت سے"(بل الرفیق الاعلی)"

علامہ اقبال کی مجوزہ کتاب سے رہنمائی ملتی ہے کہ عربوں نے رومیوں اور ایرانیوں کی سلطنتوں کو تباہ کر کے خود عرب سلطنت قائم کر لی تھی جس کے نتیجے میں قدیم مسلکِ خانقاہیت مسلمانوں پر غالب آگیا اور اسلام زمانہ قبل از اسلام کے مذہب سے تبدیل ہو کر رہ گیا اور اس میں ان مذاہب و مسالک کے تمام متنازعہ فیہ مباحث شامل ہو گئے لہذا حقیقی اسلام کے آگے بڑھنے کے بہت کم مواقع رہ گئے ۔ اس کتاب کا یہ ایک بنیادی نکتہ ہے ۔ اسلام میں وراثتی ملوکیت اور اسلام اور اسلامی فقہ پر اس کے اثرات والا حصہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے ۔ مسلمانوں میں پاپائیت کی تاریخ ، کلیسا اور ریاست کا تعلق اس کتاب کے اہم ترین ابواب ہیں ۔ علامہ اقبال ایک مجتہد کی حیثیت سے ان تمام موضوعات پر کتاب لکھنے والے تھے ۔ اس لئے اسلامی قانون اور کیا اسلام میں امت فقہی تشخص رکھتی ہے ؟ کے عنوانات کے تحت جو کچھ وہ تفصیلات درج کرنا چاہتے تھے ان کی قدروقیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب کس قدر گراں بہا دولت سے مالا مال ہوتی ۔ علامہ اقبال نے اپنی مجوزہ کتاب کے شروع میں جو رہنما اصول دیئے ہیں وہ ملاحظہ ہوں ؛ اسلام میں قوت اور زندگی ہے۔اس نے ثابت کیا ہے کہ اس میں ایسی قوت موجود ہے کہ وہ ان غیر اسلامی عناصر سے اپنا دامن پاک کر لے جو اس میں داخل ہو گئے ہیں ۔ علامہ اقبال در اصل اسلام کی اسی قوت سے کام لے کر ان تمام داخلی اور خارجی عناصر سے اسلام کا دامن پاک کرنا چاہتے تھے جو اسلام پر تہہ در تہہ خشک اور سخت چھلکے کی طرح جم چکے تھے جنہوں نے اسلام کی ابدی صداقتوں اور عالمگیر اصولوں کو جامد بنا کر رکھ دیا تھا ۔ تاکہ وہ بالکل صاف اور خالص اسلام پیش کر سکیں ۔ جو داخلی اور خارجی ملاوٹ سے پاک ہو ؛ انہوں نے اپنی پہلی انگریزی کتاب "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" میں ملوکیت ، تصوف اور فقہ کو مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں شمار کیا تھا۔ اس مجوزہ کتاب میں وہ ان موضوعات پر زیادہ تفصیل سے لکھتے تاکہ مسلمان ان

کی مردہ اور فرسودہ روایات سے نجات حاصل کرتے اور اجتہاد کے ذریعے اسلام کی اصل تعلیمات کی تعبیرِ نو کر کے نئی جمہوری ریاست معرض وجود میں لاتے جس کی معاشرت اخوت ، مساوات اور حریت کے اصولوں پر استوار ہوتی ۔

میں نے محترم میاں محمد شفیع صاحب سے علامہ اقبال کی مجوزہ کتاب پر تفصیلی گفتگو کی ۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہ بقید حیات اور خوب چاک و چوبند ہیں ۔ انہوں نے "فقہ اسلامی کی تشکیل جدید" پر جو مزید معلومات فراہم کیں، وہ انتہائی بصیرت افروز ہیں ۔ ان کی بنیاد پر اس نظریے کو کلی طور پر تقویت پہنچتی ہے کہ علامہ اقبال اجتہاد کے ذریعے نئی فقہ مرتب کرنے پر پوری مستعدی سے عمل پیرا تھے ۔ علامہ اقبال کی نثری اور شعری تعلیمات کی روشنی میں اس خاکے کی تکمیل ممکن ہے ۔ کیونکہ بنیادی بات اصول و قواعدِ فقہ کی ترتیب اور توضیح ہوتی ہے ۔ ایک مجتہد جب اپنے اجتہاد کے اصول اور استنباط کے قواعد و ضوابط بیان کر دے تو اس کا اساسی اور اصولی کارنامہ مکمل ہو جاتا ہے ۔ علامہ نے اصول و قواعد کی حد تک اپنی مطبوعہ کتاب اور زیر نظر کتاب میں اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔ان اصولوں کی رھنمائی میں ایک مفصل اور جامع کام مکمل کر لینا مشکل نہیں اسی لئے قائداعظم نے علامہ کی کتاب "فقہ اسلامی کی تشکیل جدید" کے اصولوں پر مبنی خاکہ طلب کر کے اسے مکمل کروانے کا ارادہ کیا تھا مگر تحریک پاکستان کی بے پناہ مصروفیات کے سبب وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے ۔ قیام پاکستان کے بعد علامہ کے اجتہادات کے مطابق دستور سازی اور قانون سازی کا کام انجام پانا تھا مگر قائداعظم کی جلد وفات کے سبب ایسا نہ ہو سکا ۔ اب فوری طور پر اسے مکمل کیا جانا چاہیئے ۔

مسلمان اس وقت انہی مسائل کی لپیٹ میں ہیں۔علامہ اقبال حکیم الامت کہلاتے ہیں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی صحیح تشخیص کی ہے ۔ علامہ اقبال کے بظاہر مداح اور عاشق اس نظریے کو عام کرنے میں شب و روز مصروف ہیں کہ علامہ اقبال مستقبل کے مفکر ہیں۔ہو سکتا ہے کہ وہ خلوص سے یہ نظریہ رکھتے ہوں مگر در حقیقت اس نظریے کی اشاعت سے وہ اس عہد

میں ان کے افکار و اجتہادات کو عملی شکل میں دیکھنا پسند نہیں کرتے وہ آرزومند ہیں کہ کسی نہ کسی طرح علامہ اقبال ان سے ٹل جائیں اور ان کے افکار عہدِ حاضر میں اس سرزمین میں جڑ نہ پکڑ سکیں جو انہوں نے حاصل کی تھی ۔ یہ "محبان اقبال" اقبال کے فلسفی ہونے پر بڑا زور دیتے ہیں۔علامہ فلسفی بھی تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر یہ لوگ ان کے اجتہادات سے نجات کی راہ تلاش کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں ۔ درحقیقت علامہ فلسفی سے زیادہ مجتہد تھے ان کے فلسفی ہونے پر زور دے کر ان کے خیالات کو ناقابل عمل ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ لوگ کبھی ان کے غیرآفاقی ہونے پر زور دیتے ہیں حالانکہ وہ آفاقی ہیں ۔ آفاقی کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تعلیمات پاکستان کے لئے نہیں مگر یہ خیر خواہ نما بد خواہ دراصل دوسری قوموں کو درس دیتے ہیں کہ وہ اپنے مسائل کا حل علامہ اقبال کی آفاقی تعلیمات میں ڈھونڈیں مگر وہ خود خواھشمند ہیں کہ علامہ اقبال کو قوم اور قومی مسائل کے اوپر سے گزار کر دوسروں کے حوالے کر دیں اور خود بچ جائیں ان کے نزدیک علامہ کے آفاقی شاعر اور مفکر ہونے کا صرف یہی مفہوم ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ کے فلسفی ، شاعر اور مستقبل کے مفکر ہونے پر کروڑوں روپے صرف کئے جا رہے ہیں مگر ان کے مجتہد اور مجدد ہونے کی حیثیت کو پوری کوشش ، احتیاط اور محنت سے دبایا جا رہا ہے ۔ تاکہ پاکستان صحیح معنوں میں جدید اسلامی ریاست نہ بن سکے مگر انشاء اللہ اب ایسا ممکن نہیں رہے گا ۔

اجتہاد کا داعیہ ملّی

اب آئیے اس داعیہ ملی کا مطالعہ کریں جس کے تحت علامہ اقبال نے اجتہاد کیا ۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے ساتھ خلافت عثمانیہ ختم ہوئی۔یہ تاریخ اسلام کا عظیم حادثہ تھا ۔ اس سے مسلمان مفکرین بے حد متاثر ہوئے۔اس حادثے کے بعد علامہ اقبال اس نتیجے پر پہنچے کہ عالم اسلام سے ملوکیت کے مکمل طور پر خاتمے کا وقت آ پہنچا ہے ۔ اب اسلامی روح کے مطابق جمہوری طرز حکومت کے قیام کا زمانہ آگیا ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "ترکی کا اجتہاد یہ ہے کہ روح اسلام

کے مطابق خلافت یا امامت کئی افراد پر مشتمل ایک ادارے یا منتخب اسمبلی کے سپرد کی جا سکتی ہے۔" علامہ اقبال نے اس رائے کو اپنے اجتہاد کی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھا :

ذاتی طور پر میرا ایمان ہے کہ ترکی کا اجتہاد کلی طور پر جائز ہے یہ اتنا درست ہے کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ۔ اس لئے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت مکمل طور پر روح اسلام کے عین مطابق ہے ثانیاً ان نئی قوتوں کے پیش نظر جو عالم اسلام میں بیدار ہو چکی ہیں جمہوری طرز حکومت اور بھی ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے ۔"

دور جدید میں طرز حکومت کا مسئلہ اہم ترین مسائل میں سے ہے کیونکہ گزشتہ دور کی فقہ میں اول تو اس مسئلے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی گئی اور اگر اس میں کوئی بحث ملتی ہے تو وہ ملوکیت کی تائید میں ہے۔ہماری فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اہم ترین معاملات کا اختیار امام یا خلیفہ کو حاصل ہے ۔ جس کے لئے عام طور پر "وانما ذالک الی الامام" اس کا اختیار امام کو ہے ، کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ مسلمانوں کی آزادانہ ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے سے منتخب ہونے والی حکومت کا کوئی تصور کتب فقہ میں موجود نہیں ۔ وہاں پر ہر بات گھوم پھر کر بادشاہ وقت تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے ۔ حالانکہ ملوکانہ طرز حکومت کی اسلام میں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ان حالات میں اگر کوئی شخص کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی تخلیقی اور فکری صلاحیتوں کو کامل و مکمل طور پر بروئے کار لا کر ایک خاص طرز حکومت پر اظہار خیال کرتا ہے تو یہ اظہار رائے اصول فقہ کی اصطلاح میں اجتہاد ہی کہلاتا ہے۔چونکہ علامہ اقبال نے اسلامی علوم کے گہرے مطالعے کے بعد جمہوری طرز حکومت

"The Republican form of Government"

کو اسلام کی روح کے مطابق قرار دیا ہے' اس لئے وہ مجتہد ہی کہلائیں گے ۔ اگر بیتے ہوئے زمانے کے فقہاء ملوکیت کی تائید کر کے مجتہد کہلاتے رہے ہیں تو عہد حاضر میں جمہوری طرز حکومت کا داعی شخص کیوں مجتہد نہیں کہلا سکتا ؟ کیا وہ اس وجہ سے مجتہد نہیں کہلا سکتا کہ وہ ملوکیت کا مخالف اور جمہوریت کا داعی ہے ؟

علامہ اقبال کے اس اجتہاد کے بعد ان کے سامنے دوسرا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ جمہوری طرز حکومت پر مبنی جدید اسلامی ریاست کا دستور کن اصول و خطوط پر وضع ہو۔ چنانچہ ۱۹۲۰ تا ۱۹۳۰ء کے عشرے کے دوران وہ اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتے رہے ۔ انہوں نے ۱۹۲۴ء میں مسودہ مرتب کیا مزید علم و تحقیق کی روشنی میں اس پر نظرثانی کر کے ایک منظم ، مربوط اور منضبط مسودہ تیار کیا جسے ۱۹۲۸ء میں مختلف خطبات کی صورت میں مدراس میں برصغیر کے مسلمان مفکرین کے سامنے پیش کیا ۔ علامہ کے یہی خطبات مدراس متذکرہ نام سے انگریزی زبان میں شائع ہوئے ۔ یہ کتاب اب سات ابواب پر مشتمل ہے ۔ اس میں اسلامی علوم اور دینی افکار کی تشکیل نو کی گئی ہے ۔ ان موضوعات پر بحث کی گئی ہے جو ایک جدید اسلامی ریاست کو پیش آسکتے ہیں ۔ اس میں ایک جدید اسلامی ریاست کی مقننہ کے لئے اصول و خطوط وضع کئے گئے ہیں ۔ تعبیر شریعت کے اصول و قواعد مرتب کئے گئے ہیں چونکہ جدید اسلامی ریاست کے امور و معاملات گزشتہ دور کے فقہاء کو پیش ہی نہ آئے تھے ۔ قوم کی منتخب مجلس قانون ساز کا تصور ہی دور ملوکیت میں ناپید تھا ۔ اس لئے اس دور کے مجتہدین نے نہ اجتماعی اجتہاد کی تفصیلات مرتب کیں اور نہ اس کے اصول اجتہاد و استنباط پر غور کیا یہ مسئلہ دور جمہوریت میں قوم کی منتخب مجلس قانون ساز سے تعلق رکھتا تھ ۔ گزشتہ مجتہدین نے دور جمہوریت دیکھا ہی نہ تھا اور نہ انہیں یہ مسئلہ پیش آیا تھا ۔ اس لئے فقہ ملوکیت سے اس مسئلے پر کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی تھی ۔ یہ تھا وہ تقاضا جس کے پیش نظر علامہ اقبال نے دور جدید میں ایک جمہوری اسلامی ریاست کے لئے دستور کے رہنما اصول وضع کئے اور قوم کی منتخب قومی اسمبلی کو تعبیر شریعت کا اختیار دینے پر اجتہاد کیا ۔

حصول اسلامی ریاست پر علامہ کا اجتہاد

فکر اسلامی کی تشکیل نو ، اسلامی ریاست کے دستور کے رہنما اصول اور

شریعت کی تعبیر نو کے اصول و قواعد مرتب کرنے کے بعد علامہ اقبال کے لئے ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست کے حصول کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا ۔ کیونکہ جب تک انہوں نے اپنے تخلیقی اور اجتہادی افکار کو منضبط اور مرتب نہیں کیا تھا اس وقت تک اس مسئلے نے ان کے ذہن میں شدت اختیار نہیں کی تھی مگر جب دستوری اصول وضع ہو گئے تو اس کے بعد کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کو حتمی اور فیصلہ کن حیثیت دیں ۔ چنانچہ یہ ہے وہ تقاضا جس کے پیش نظر انہوں نے اپنا اجتہاد ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبہ الہ آباد کی صورت میں مسلمانان ہند کے عظیم اجتماع میں پیش کیا ۔ جس میں انہوں نے نہایت واضح اور صاف انداز میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کی ضرورت پر زور دیا اس ریاست کے قیام کے لئے لائحہ عمل پیش کیا اور مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول پر آمادہ کیا ۔ انہیں اپنے اس اجتہاد کی صحت پر یقین تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی عملی جدوجہد کے لئے سب سے بڑے رہنما قائداعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے بلایا اور انہیں تحریک پاکستان کی قیادت سونپی۔اس طرح علامہ اقبال نے ایک جدید اسلامی ریاست کے دستور کے رہنما اصول بنائے' ایک جدید ریاست کے قانون ساز ادارے کے لئے شریعت کے اصول اجتہاد و استنباط وضع کئے اور تحریک پاکستان کی قیادت قائداعظم اور مسلم لیگ کے سپرد کر کے وہ ۱۹۳۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ قائداعظم اور مسلم لیگ نے علامہ اقبال کے ساتھ عہد کو بکمال خلوص پورا کیا ۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کو ایک متعین شکل دینے کے لئے ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا نہایت اہم اور تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد کیا جس میں قرارداد لاہور منظور ہوئی ۔ اس قرارداد کی منظوری کے بعد تحریک پاکستان کی جدوجہد میں بہت قوت پیدا ہو گئی ۔ جس کے نتیجے میں بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا ۔ تاریخ اسلام کے اس اتنے بڑے واقعے کو جس نے کروڑوں مسلمانوں کو غلامی سے آزادی دلائی ، اسلامیان ہند کو عزت و وقار اور عالمی سطح پر بلند مقام عطا کیا' اسلام کے نفاذ کے لئے راستہ کھولا' کتاب و سنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کا موقع فراہم کیا' اسے اجتہاد ہی کہا جائے گا ۔

جب لونڈی غلام کے مسائل اجتہاد کہلا سکتے ہیں تو کروڑوں مسلمانوں کو غلامی سے آزادی دلانا تو بدرجہ اولی اجتہاد کہلائے گا ۔ پاکستان کے طول و عرض میں نفاذ شریعت کی تحریک چل رہی ہے یہ اس لئے ممکن ہوا کہ اقبال کے اجتہاد کے نتیجے میں ایک آزاد جدید اسلامی ریاست قائم ہے ، ورنہ بھارت میں نفاذ شریعت کی تحریک تو درکنار وہاں مسلمانوں کو اپنے شخصی قوانین پر عمل میں بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ، ان کی عبادت گاہیں محفوظ نہیں ، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو ہمیشہ خطرے میں ہے ۔

پاکستان میں تعبیر شریعت کے اختیار کے موضوع پر بحث کے دوران ہم نے تحریک پاکستان کے تاریخی پس منظر کو اس لئے بیان کیا تاکہ واضح کیا جا سکے کہ تحریک پاکستان کے نتیجے میں جو جدید اسلامی ریاست قائم ہو گی' اس میں تعبیر شریعت کا اختیار کسے حاصل ہو گا ؟ اس تفصیل سے صاف طور پر نظر آرہا ہے کہ اس میں تعبیر شریعت کا اختیار جمہوری طرز حکومت کی منتخب مجلس قانون ساز کو حاصل ہو گا ۔ اس سے دوسری بات یہ ثابت ہو رہی ہے کہ اس ریاست میں تعبیر شریعت ان اصول اجتہاد و استنباط کے مطابق ہو گی جن کی طرف علامہ اقبال نے رہنمائی فرمائی تھی ۔ یہ بات مزید غور و فکر کے قابل اور تفصیل طلب ہے ۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا علامہ اقبال نے ایک جدید اسلامی ریاست کا دستور اور اس میں قانون سازی کے اصول و قواعد اس ریاست کے قیام سے پہلے مرتب کئے پھر اس ریاست کے قیام کے لئے لائحہ عمل پیش کیا ۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے تصور اور نظریے کے مطابق جو اسلامی ریاست قائم ہو گی' اس میں تعبیر شریعت اور قانون سازی کے ان اصولوں پر عمل کیا جائے گا ۔ جو انہوں نے پہلے سے مرتب کر رکھے تھے اور جن کے لئے وہ ایک ریاست کا قیام چاہتے تھے ۔ اگر یہ بات تاریخی طور پر درست ہے اور یقیناً درست ہے تو دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان میں اس پر عمل ہو ۔ علامہ اقبال کے رہنما اصول جامد اور فرسودہ نہیں ان میں لچک اور وسعت ہے ۔ انہیں پیش ہوئے بھی پچاس سال گزر چکے ہیں ۔ اگر آئین ، قانون اور ریاست کی تشکیل ان پر کی گئی ہوتی تو نئی ریاستی ، معاشرتی اور ثقافتی قوتوں کی بدولت ایک نیا ، توانا اور صحت مند فکری

ماحول پیدا ہو چکا ہوتا جو اور زیادہ تازہ اور توانا افکار کا تقاضا کرتا ۔ جب قائداعظم اور مسلم لیگ نے علامہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کیا اور انہوں نے علامہ کے نظریے اور تصور کے مطابق پاکستان بنایا تو کیا وجہ ہے کہ ان کے اصل مقصد ، شریعت کی تعبیر نو پر عمل نہ کیا جائے۔اس من گھڑت افسانے کو بہت شہرت دی گئی ہے کہ تحریک پاکستان بغیر کسی نظریاتی بنیاد کے کامیاب ہو گئی قائدین تحریک کو فرصت ہی نہ تھی کہ وہ اس کے آئینی اور دستوری اصولوں کی تشکیل کی طرف توجہ دیتے اور قیام پاکستان کے بعد قائداعظم جلد وفات پا گئے اس طرح پاکستان بننے کے بعد بھی اس کے آئین ، طرز حکومت اور نظریاتی بنیادوں کی توضیح پر کوئی کام نہ ہوا ۔ اس مفروضے کو عام کرنے کے دو بڑے واضح مقاصد تھے ۔ اول' علامہ اقبال جو مفکر پاکستان ہیں جنہوں نے اس کے آئین ، طرز حکومت اور نظریاتی بنیادوں پر اصولوں اور تعلیمات کا وسیع ذخیرہ چھوڑا تھا' اسے نظرانداز کر کے ایک آئینی ، دستوری اور نظریاتی خلا کا احساس عام کیا جائے۔ دوم ' اس خلا کی آڑ میں ان افکار و نظریات کے لئے جواز پیدا کیا جائے جنہیں تحریک پاکستان کے دوران شکست ہو چکی تھی ۔ اس فکر کے حامیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی مگر پاکستان کی جو فکری تاریخ مرتب ہو چکی تھی' اسے دبایا تو جا سکتا تھا' مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ محققین جب پاکستان کی فکری تاریخ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں واضح طور پر نظر آتا ہے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال پر یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے کہ انہوں نے پاکستان کے نظریے ، آئین ، اور طرز حکومت کے اصول وضع نہیں کئے تھے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور ان کے مخالفین کامیاب ہو گئے ۔

(اجتہادِ اقبال کے مخالفین پر جمہور کا فیصلہ

ہماری تاریخ گواہ ہے کہ علامہ اقبال کے اہم ترین دونوں اجتہادوں شریعت کی تعبیر نو کے اجتہاد اور قیام پاکستان کے اجتہاد ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی بعض مسلمانوں نے مخالفت کی تھی۔علامہ کے تعبیر شریعت کے اجتہاد کی زبردست مخالفت ہوئی تھی ۔ جس کی وجہ سے ان پر کفر کے فتوے

بھی لگے تھے اور انہیں دائرہ اسلام سے خارج بھی قرار دیا گیا تھا ۔ اسی طرح ان کے اجتہاد قیام پاکستان کی بھی مخالفت ہوئی تھی ۔ چنانچہ سوال پیدا ہوا تھا کہ علامہ اقبال کے ان دونوں اجتہادات کی صحت و خطا کا فیصلہ کون کرے ؟ کیونکہ اقبال کے اجتہاد کی بنیاد قرآن و سنت پر تھی اور اسی بنیاد پر ان کی مخالفت بھی ہو رہی تھی ۔ بالآخر فریقین نے اپنے اختلاف کا فیصلہ جمہور مسلمانوں کے ضمیر اور ان کی بصیرت کے سپرد کیا ۔ برصغیر ہند میں بسنے والی امت محمدیہ نے پوری جرأت ایمانی اور عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اقبال کے اجتہاد کی صحت پر مہر عدالت ثبت کر دی اور اس کے مخالفین کے اجتہاد کو مبنی بر خطا قرار دیا۔ علامہ کے اس اجتہاد کو کروڑوں مسلمانوں نے تسلیم کیا۔علامہ کو مجتہد ماننے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے ؟

پاکستان اجتماعی اجتہاد کا نتیجہ

تحریک پاکستان دراصل شریعت کی تعبیر نو کا دوسرا نام تھا جو لوگ تحریک پاکستان کے مخالف تھے وہ اپنے نقطہ نظر سے شریعت کی تعبیر کرتے تھے اور علامہ اقبال نے تعبیر شریعت کے اپنے اصول بیان کئے ۔ تحریک پاکستان کی موافقت اور مخالفت دراصل ان دو تعبیروں کی موافقت اور مخالفت تھی ۔ اقبال اور قائد کی تعبیر کے مطابق پاکستان کا قیام اسلام کا تقاضا تھا۔ان کے مخالفین کے مطابق پاکستان کا قیام اسلام کا تقاضا نہ تھا ۔ جب یہ دونوں تعبیریں فیصلے کے لئے برصغیر میں بسنے والی امت مسلمہ کے سامنے پیش ہوئیں تو امت نے علامہ اقبال اور قائداعظم کی تعبیر شریعت کو قبول کیا اور ان کے مخالفین کی تعبیر شریعت کو مسترد کر دیا ۔ امت محمدیہ کے اس واضح اور دو ٹوک فیصلے کے بعد دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اقبال کے افکار پر قائم ہونے والے پاکستان میں اس کے افکار کے مطابق اس ملک کی مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ تشکیل دی جائے ۔ تعبیر شریعت کے جو اصول اجتہاد و استنباط اقبال نے وضع کئے ہیں انہی کی بنیاد پر شریعت کی تشریح کی جائے ۔ شریعت کی وہ تعریف کی جائے جو اصل شریعت ہے اور جس کی تعریف اقبال نے اپنے خطبات میں کی ہے ۔ یہ خطبات اصل انگریزی زبان

میں بھی موجود ہیں اور ان کا اردو ترجمہ بھی موجود ہے ۔ اقبال کے اجتہادات اس کے خطوط و مکاتیب میں بھی درج ہیں ۔

پارلیمنٹ کے اجتہاد کا مفہوم

علامہ اقبال کے اس اجتہاد کی بھی مخالفت ہوئی تھی کہ تعبیر شریعت کا اختیار پارلیمنٹ کو حاصل ہے ۔ اعتراض یہ تھا کہ گزشتہ زمانے کی فقہ میں اجتہاد کی جو شرائط درج ہیں وہ کوئی پوری نہیں کر سکتا ۔ اقبال کا جواب یہ تھا کہ اول تو ان ناممکن العمل شرائط کا کوئی جواز نہیں ۔

"the idea of ijtihad is hedged round by conditions which are wellnigh impossible of realization in a single individual (P.149)

اجتہاد امت کی مسلسل اور غیر مختتم ضرورت ہے جسے ہرگز ملتوی نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کا دوسرا جواب یہ تھا کہ اگر یہ شرائط کسی ایک فرد میں نہیں پائی جاتیں تو وہ پوری قوم میں تو موجود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اجتہاد مطلق کا اختیار پوری قوم کی منتخب پارلیمنٹ کو دیا ۔ پارلیمنٹ میں ہر استعداد اور صلاحیت کے ارکان موجود ہوتے ہیں ۔ ان سب کا مجموعی علم اور تجربہ یقیناً کسی بھی بڑے سے بڑے مجتہد سے زیادہ ہوتا ہے ۔ جب پارلیمنٹ کا اختیار تعبیر شریعت مان لیا جائے گا تو قوم کا شعور اور احساس خود بخود بیدار ہو جائے گا کہ وہ ایسے نمائندے منتخب کرے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں۔لہذا کسی ایک فرد میں تعبیر شریعت کی اہلیت کی ناممکن العمل شرائط پر اصرار اجتماعی اجتہاد کے اصول سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا ۔

دور جمہوریت میں فقہ سازی

دور جدید میں تعبیر شریعت کا انداز بدل چکا ہے ۔ دور ملوکیت میں امت محمدیہ بحیثیت مجموعی قانون سازی کے عمل سے محروم کر دی گئی تھی۔چند فقہاء کے اجتہادات پر ملوک کے اتفاق کر لینے سے فقہ ملوکیت معرض وجود میں آجاتی تھی ۔ دور جمہوریت میں ایسا ممکن نہیں ۔ جمہوریت میں پوری قوم قانون سازی کے عمل میں شریک ہوتی ہے ۔ بلاشبہ اصل کام تو منتخب پارلیمنٹ انجام دیتی ہے مگر پارلیمنٹ میں کسی مسئلے پر جب "بل" پیش ہوتا ہے تو اسے جن

دینی ، قانونی اور فقہی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ان کا عام طور پرؔ لوگوں کو علم نہیں ۔

پارلیمنٹ میں تعبیر شریعت کے قواعدِ ضابطہ کار

اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے رولز آف پروسیجر کا مطالعہ کر لیا جائے تو ان بہت سے اعتراضات کا جواب خود بخود مل جاتا ہے جو پارلیمنٹ کے اختیار تعبیر شریعت پر کئے جاتے ہیں ۔ پارلیمنٹ کی سینٹ اور قومی اسمبلی میں اسلامی اور قانونی ماہرین ہوتے ہیں اِن کی مدد کے لئے وزارت انصاف و پارلیمانی امور کے فقہ اور قانون کے ممتاز قانون دان ہوتے ہیں یہ متخصصین اعلی درجے کے تربیت یافتہ اور منجھے ہوئے فقہاء ، علماء اور قضاۃ ہوتے ہیں ۔ یہ ماہرینِ فقہ و قانون پارلیمنٹ میں قانون سازی کے لئے پیش ہونے والے ہر "بل" کی کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق جانچ پڑتال کرتے ہیں کیونکہ پاکستان کے آئین کے مطابق کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا ۔ اگر "بل" کا کوئی لفظ ، فقرہ یا اصطلاح قرآن و سنت کے خلاف ہو تو ماہرین اس کی تنقیح کرتے ہیں ۔ جب یہ مسودہ تنقیح اور تجزیے کے سخت مراحل میں سے کامیابی سے گزر جاتا ہے تو پھر کیبنٹ کے سامنے پیش ہوتا ہے۔وزیرا عظم کی منظوری کے بعد پارلیمنٹ میں بحث کے لئے آتا ہے ۔ جو لوگ اس لائحہ عمل سے بے خبر ہیں' وہ صرف ارکان پارلیمنٹ کی ذات کو سامنے رکھ کر بات کرتے ہیں ۔ علاوہ ازیں پوری قوم اپنے نمائندوں سمیت اس پر غور و خوض کرتی ہے۔تمام عالم اور دانشور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں ۔ اخبارات ، جرائد و رسائل مضامین شائع کرتے ہیں۔ مذاکرے ، مباحثے اور تقاریر ہوتی ہیں ۔ ریڈیو ، ٹیلیویژن و دیگر تمام ذرائع ابلاغ تعبیر شریعت کے اس عمل میں حصہ لے رہے ہوتے ہیں ۔

شریعت بل

پارلیمنٹ کے سامنے "شریعت بل" کی مثال لیجئے اس کا کونسا پہلو ہے جو تشنہ رہ گیا ہے۔ملک کا کونسا صاحب رائے عالم اور دانشور ہے جس کے خیالات سے پارلیمنٹ نے استفادہ نہیں کیا۔اس مسئلے پر کتاب و

سنت کی کونسی بنیادی اور تفصیلی تعلیمات ہیں جو پیش ہونے سے رہ گئی ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ناقابل عمل فقہی شرائط تعبیر شریعت کے اس وسیع تناظر میں اب اپنی اہمیت کھو چکی ہیں ۔ یہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب ملوک و سلاطین نے امت محمدیہ کو حق تعبیر شریعت سے محروم کر رکھا تھا ۔ اب ملوکیت ختم ہو چکی ہے تو اس کے تقاضے بھی ختم ہونے چاہئیں۔جب عہد حاضر کے تمام علماء ، فقہاء ، وکلاء ، قضاۃ ، اساتذہ، رہبر و رہنما کے ساتھ ساتھ سب خاص و عام تعبیر شریعت میں شریک سفر ہیں تو کیا پوری قوم کا مجموعی علم اس کا اہل نہیں کہ وہ تعبیر شریعت کر سکے ؟ یہ شریعت بل علماء کے اس طبقے نے پیش کیا ہے جن کا خیال تھا کہ یہ مسلمانوں کی مسلمہ شریعت کے مترادف ہے ۔ اگر اس وقت زمانہ قدیم کی ملوکیت قائم ہوتی تو یہ شریعت قرار پا کر اب تک نافذ ہو چکا ہوتا کیونکہ روایتی معنوں میں یہ دور حاضر کے فقہاء نے تیار کیا تھا ۔ اس لئے بادشاہ پر لازم تھا کہ وہ اسے جوں کا توں نافذ کر دیتا ۔ اس سے قدیم فقہ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔اس دور میں فقہ ایسے ہی مرتب ہوئی تھی ۔ آئیے اب دیکھتے ہیں کہ دور جمہوریت میں اس بل پر کیا گزری ۔ یہ پارلیمنٹ کے ایوان بالا ، سینٹ میں پیش ہوا ۔ پارلیمنٹ کے رولز آف پروسیجر کی چھلنی میں چھنا ۔ تجزیے اور تنقیح کے مراحل کے دوران ظاہر ہوا کہ بل ، قرآن و سنت کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔اس کے بعد اسے قوم کے سامنے پیش کیا گیا ۔ قوم نے بھی پارلیمنٹ سے اتفاق کیا۔اس کے نتیجے میں ان فقہاء نے بھی اپنے بل پر دوبارہ غور کیا۔مزید فقہاء کے اتفاق سے اصل بل میں اس حد تک ترمیم کر دی گئی کہ شریعت کی تعریف ہی بدل دی گئی۔جسے شریعت قرار دیا جا رہا تھا اسے خود ہی قابل ترمیم ، تنسیخ اور تحریف ثابت کر دیا۔ملک کے دوسرے فقہاء نے اسے از اول تا آخر خلاف شریعت قرار دے دیا ۔ اس مثال سے دور ملوکیت میں فقہ سازی اور دور جمہوریت میں تعبیر شریعت کے عمل کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے ۔ دور ملوکیت کے معیار کے مطابق شریعت بل مستند اور مسلمہ فقہاء اور مجتہدین کا مرتب کردہ تھا اس لئے یہ مسلمہ شریعت تھا صرف ایک مطلق العنان بادشاہ کی توثیق باقی تھی ۔ دور جمہوریت کے پیمانے کے مطابق یہ بل

سینٹ کے ارکان میں سے دو رکنوں کی رائے تھی جسے انہوں نے بحث کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا تھا جس میں انہوں نے خود ترمیم کر دی تھی اور مزید کی توقع تھی ۔

دور ملوکیت میں فقہ سازی

آئیے قدیم فقہ سازی کا تجزیہ کریں۔فقہ سازی کے قدیم طریقے کے مطابق ایک زمانے کے کچھ فقہا در پیش مسائل پر غور کر کے اجتہاد کرتے ۔ وہ اپنے اجتہاد کو بادشاہ وقت کی خدمت میں پیش کرتے ۔ یہ فقہاء بادشاہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے ۔ بادشاہ ان کے اجتہاد کی توثیق کر دیتا ۔ اس طرح فقہ مرتب ہو جاتی ۔ فقہ سازی کے اس عمل میں صرف ان فقہاء کو اجازت ہوتی تھی جو بادشاہ کے معتمد علیہ اور نامزد کردہ ہوتے تھے ۔ اس زمانے کے تمام فقہاء کو فقہ سازی کے عمل میں سرکاری طور پر شریک نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ان سے رائے لی جاتی تھی ۔ وہ اپنے طور پر اگر کوئی اجتہاد کرتے تو اسے قبول نہیں کیا جاتا تھا اور نہ اسے ملکی قانون کا درجہ حاصل ہوتا تھا ۔

معتمد فقہاء

سرکاری طور پر مستند اور مسلمہ فقیہہ کی اصطلاح ان فقہاء کے لئے استعمال ہوتی تھی جو بادشاہ کے نامزد کردہ ہوتے تھے ۔ اس دور میں دوسرے فقہاء کو مستند اور مسلمہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ انہیں مجرم قرار دے کر سزائیں دی جاتی تھیں ۔ یہ "غیر مستند" فقہا علم ، فقاہت اور تقوے کے اعتبار سے "مستند فقہاء" سے چاہے مقام اور مرتبے میں کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں ۔ بادشاہوں کے معیار پر مستند اور غیر مستند فقہاء کو سمجھنے کے لئے امام جعفر صادق ، امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد بن حنبل ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی مثال لیجئیے ۔ ان میں امام ابو یوسف اور امام محمد سرکاری طور پر "مستند" ، "مسلمہ" اور "معتمد علیہ" فقیہہ تھے کیونکہ وہ بادشاہ کے مقرب ، معتمد اور نامزد کردہ تھے ۔ لیکن امام جعفر ، امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی ،

امام احمد بن حنبل ، "غیر مستند" تھے کیونکہ وہ بادشاہ کے مقرب ، معتمد علیہ اور نامزد کردہ نہ تھے ۔ اگرچہ اس وقت سے لے کر آج تک پوری امت ان پانچوں اماموں کو امام ابو یوسف اور امام محمد سے ہر اعتبار سے بڑے تسلیم کرتی چلی آرہی ہے اور وہ امت کے نزدیک ان سے زیادہ مستند اور مسلمہ ہیں ۔

مجرم فقہاء

امام ابو حنیفہ کے زمانے کے بادشاہوں نے انہیں نامزد کر کے اپنا معتمد علیہ اور مستند فقیہہ بنانے کی کوشش کی تھی ۔ مگر انہوں نے ملوکیت کی نامزدگی کو خلاف شریعت قرار دیتے ہوئے ان کی کوشش کو ناکام بنا دیا تھا ۔ اس طرح وہ سرکاری طور پر نہ نامزد ہوئے نہ مستند کہلائے اور نہ معتمد علیہ ٹھہرے بلکہ ملوکیت کے مجرم قرار پائے۔انہیں سزا ہوئی اور انہوں نے جیل ہی میں وفات پائی ۔ اسی صورت حال کا سامنا امام مالک کو کرنا پڑا تھا بادشاہ نے اپنے "مسلمہ" اور "مستند" فقیہوں سے فتوی لیا کہ جو شخص بیعت بالجبر کو توڑے گا اس کی بیوی پر جبری طلاق واقع ہو جائے گی۔ فقہی اصطلاح میں اسے طلاق مُکرِہ کہا جاتا ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ خلافت راشدہ کے جمہوری دور کے بعد ملوکیت قائم ہو گئی تھی ۔ جمہور مسلمان اپنے جمہوری حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے تھے ۔ بادشاہ بزور شمشیر مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے تھے ۔ اپنی ظالمانہ حکومت کا جواز پیدا کرنے کے لئے وہ تلوار کی قوت سے مسلمانوں سے بیعت بالجبر لیتے تھے ۔ جو لوگ ایک دفعہ بیعت کر لیتے تھے ۔ اگر بعد میں ان کا ضمیر جاگ اٹھتا تو وہ ملوکیت کی بیعت سے دستبردار ہو جاتے تھے اور ملوکیت کے خلاف جمہوریت کی جدوجہد میں شریک ہو جاتے تھے ۔ ۱۳۵ھ میں محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں عَلم بغاوت بلند کر دیا اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا امام مالک نے فتوی دیا کہ "خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے" لوگوں نے پوچھا کہ "ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں" امام مالک نے فتوی دیا "منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام جبراً کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں ۔ حدیث ہے کہ اگر جبراً طلاق کسی سے دلائی جائے تو واقع نہ ہو گی۔" مسلمانوں کو بیعت بالجبر پر قائم رکھنے کے

لئے بادشاہ نے اپنے 'مستند' اور 'مسلمہ' فقیہوں سے فتوی لیا کہ جو شخص ایک دفعہ بیعت کر لے وہ اسے توڑ نہیں سکتا۔اگر توڑے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔اس زمانے میں یہ مذہب کا سیاسی استحصال تھا ۔ چنانچہ امام مالک مسلمانوں کے جمہوری حقوق کے تحفظ کے لئے مذہب کے اس استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ انہوں نے کھلم کھلا بیعت بالجبر کے خلاف اپنے اجتہاد کا اعلان کر دیا اور فتوی دیا کہ جو شخص بیعت بالجبر کو توڑ دے اس کی بیوی کو ہرگز طلاق نہیں ہو گی ۔ جعفر بن سلیمان حاکم مدینہ نے مدینہ پہنچ کر نئے سرے سے لوگوں سے بیعت لی ۔ امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آئندہ طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتوی نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت بالجبر کی بے اعتباری و عدم صحت کے لئے سند ہاتھ آئے ۔ امام مالک بدستور بیعت بالجبر کے خلاف فتوی دیتے رہے ۔ جعفر بن سلیمان نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں۔امام دارالھجرۃ کو محکمہ امارات میں مجرموں کی طرح لایا گیا ، کپڑے اتارے گئے اور شانہ امامت پر دست ظلم نے ستر کوڑے پورے کئے تمام پیٹھ لہولہان ہو گئی دونوں ہاتھ کندھے سے اتر گئے۔اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے ۔ امام مالک اس حال زار میں بازاروں اور گلیوں سے گزر رہے تھے اور زبان صداقت نشان بآواز بلند کہہ رہی تھی "جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں فتوی دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں" (طبقات ابن سعد ترجمہ مالک ، مناقب مالک للزواوی ، سلیمان ندوی ، حیات امام مالک ۶۹)

امام احمد بن حنبل پر جو تشدد ہوا وہ ان سب سے بڑھ کر تھا۔

امام جعفر صادق نے لوگوں کو حکومت وقت کا ساتھ دینے سے روکا۔ان کی ملازمت کو ناجائز اور ان کی اعانت کو گناہ قرار دیا (الامام الصادق والمذاھب اربعہ ج اوّل صفحہ ۱۵۵ اردو ترجمہ) منصور نے ۱۴۷ ھ میں مدینہ پہنچ کر حکم دیا کہ امام جعفر کو گرفتار کر کے پیش کیا جائے۔آج میں نے اسے قتل نہ کیا تو خدا مجھے قتل کرے (ایضاً ۵۷)

اس پس منظر میں دور ملوکیت میں فقہ سازی کے طریق کار کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے ۔ ملوکیت کے نزدیک اسلامی فقہوں کے بانی ائمہ مجتہدین کا مستند اور معتمد علیہ ہونا تو درکنار وہ سزا یافتہ مجرم تھے ۔ ان کے برعکس ملوکیت کے مستند اور معتمد علیہ وہ فقہاء تھے جنہوں نے ان عظیم ائمہ مجتہدین کے فتوے کے خلاف ملوکیت کو اسلام میں جائز قرار دیا۔اس کی نامزدگی کو تسلیم کیا۔بادشاہوں کی ملازمت کی ۔ اس طرح وہ مسلمہ ، مستند اور معتمد قرار پائے ۔ اس تاریخی ، پس منظر کو سامنے رکھے بغیر عہد ملوکیت میں قدیم فقہ سازی کے طریق کار کو سمجھنا آسان نہیں ۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے نامزد کردہ فقہاء کو فقہ سازی کا حکم دیا۔ امام ابو یوسف نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" اپنے زمانے کے بادشاہ کے حکم سے مرتب کی تھی ۔ حالانکہ امام ابو یوسف اور امام محمد فقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے ۔ امام مجرم قرار پائے تھے اور شاگرد مستند اور معتمد ٹھہرے تھے ۔

فقہ ملوکیت میں سپریم اتھارٹی

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان "مستند" اور "معتمد" فقہاء نے کیسے فقہ سازی کی ۔امام ابوحنیفہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں جن مسائل پر اجتہادات کئے تھے ان فقہاء نے ان مسائل پر از سرنو اجتہاد کئے۔اپنی فقہ کے بانی اور اپنے ہی امام سے اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے امام ابو حنیفہ کے ستر فی صد اجتہادات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کی جگہ نئے اجتہادات کئے ۔ امام ابو حنیفہ ملوکیت کے مفادات سے بالا ہو کر امت کی فلاح و بہبود اور اس کے بنیادی انسانی حقوق ، شہری آزادیوں اور قانون کی بالادستی کے پیش نظر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہادات کرتے تھے ۔ جبکہ ملوکیت کو سپریم اتھارٹی تسلیم کر لینے کے بعد یہ فقہاء اس آزادی سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گئے تھے وہ صرف اس حد تک عوام کے حقوق بیان کر سکتے تھے جس حد تک وہ ملوکیت کے مفادات سے نہ ٹکرائیں ۔ جب ملوکیت اور عوام کے حقوق میں ٹکراؤ پیدا ہو تو ملوکیت کو بالادست قانون کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا کیونکہ ملوکیت قائم تھی اور اس کی جگہ جمہوریت قائم

کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔اس لئے نظریہ ضرورت کے تحت انہیں یہ طریق اجتہاد اپنانا پڑا ۔ ملوکیت قبول کر کے اس کی ملازمت میں جو فقہ تیار ہوئی وہ فقہ ملوکیت ہے ۔ اس کے برعکس ملوکیت کو مسترد کر کے جو فقہ تیار ہوئی تھی وہ فقہ جمہوریت ہے ۔ جمہوریت سے مراد کتاب و سنت کے مطابق جمہور کے بنیادی حقوق ، شہری آزادیاں اور قانون کی بالادستی کا نظام ہے ۔ جمہوریت عہد خلافت راشدہ کے بعد ختم ہو گئی تھی جس کے احیاء کے لئے امام جعفر صادق ، امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے انتہائی کوشش کی جس کی وجہ سے انہیں سزائیں ہوئیں ۔

فقہ ملوکیت کے بنیادی اصول

ملوکیت کے استحکام حاصل کر لینے کے بعد جو فقہ ملوکیت تیار ہوئی اس کے بنیادی اصول یہ تھے :۔

۱ ۔ جمہور کے حقوق کے تحفظ ، شہری آزادیوں کے فروغ اور قانون کی بالادستی کے اصولوں پر مبنی امام ابوحنیفہ کے اجتہادات پر ملوکیت کے تقاضوں کے مطابق نظر ثانی کی گئی ۔ کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ جو امام ملوکیت کو سپریم لاء تسلیم نہ کرتا ہو ، اس کے اجتہاد ملوکیت سے ہم آہنگ ہوں ۔

۲ ۔ ائمہ مجتہدین کے جو اجتہادات ملوکیت کے خلاف اور جمہوریت کے موافق تھے ، ان کے مقابلے میں نئے دلائل پر ایسے اجتہاد کئے گئے جو ملوکیت کے موافق اور جمہوریت کے مخالف تھے ۔ اس کے بغیر ملوکیت نہیں چل سکتی تھی ۔

۳ ۔ ملوکیت کے مخالف اجتہادات کالعدم قرار پائے اور ان کی جگہ اس کے موافق اجتہادات نافذ ہوئے۔اس طرح امام ابو حنیفہ کے ستر فیصد اجتہادات کالعدم قرار پائے اور ان کی جگہ ان کے شاگردوں کے اجتہادات نافذ ہوئے ۔ جو آج تک نافذ ہیں۔

۴ ۔ نئے مسائل پر اجتہادات کے لئے جو اصولِ اجتہاد و استنباط وضع ہوئے ان

کے مطابق ملوکیت کے خلاف کوئی اجتہاد نہ کیا گیا ۔ تمام اجتہادات اس کی تائید اور توافق میں ہوئے۔ملوکیت کو سپریم اتھارٹی تسلیم کرنے کا یہ فطری اور منطقی نتیجہ تھا ۔ ملوکیت کے خلاف اجتہاد کرنے کا مطلب یہ تھا کہ سپریم لاء' بالادست قانون کے خلاف اجتہاد کرنا' جو ملوکیت میں ممکن نہیں ہوتا ۔

۵ ۔ اگر ملوک اور جمہور کے حقوق میں تصادم پایا گیا تو ملوک کو جمہور پر ترجیح دی گئی ۔

۶ ۔ قرآن و سنت کے بنیادی اصول اخوت، مساوات اور حریت ۔۔۔۔۔ فقہ سازی کے نئے اجتہادات میں خارج از بحث قرار پائے ۔ چنانچہ کسی بھی مسئلے پر رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے کوئی اجتہاد نہ کیا گیا ۔ ان تینوں اصولوں پر اجتہاد کا مطلب تھا کہ حاکم و محکوم میں مساوات ہو جو نظریہ ملوکیت کی نفی ہے لہذا ملوکیت میں اجتہاد مطلق ممنوع تھا ۔

۷ ۔ سیاسی ، معاشی' معاشرتی' مساوی حقوق کے بنیادی اسلامی تصورات فقہ سازی کے نئے طریق کار کے مطابق غیر متعلقہ موضوع قرار پائے ۔ یہی وجہ ہے کہ ذرائع پیداوار پر امت کے مساوی حقوق اور تقسیم دولت میں امت کی برابر شرکت پر کوئی اجتہاد نہ ہوا ۔ ذرائع پیداوار کی مشترک امانت اور تسویہ کے مطابق مساوی تقسیم دولت ملوکیت سے متصادم اصول ہیں ۔

۸ ۔ منصفانہ ، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے منتخب اسلامی جمہوری حکومت کے قیام پر اجتہاد کے لئے نہ کوئی اصول اجتہاد وضع ہوا اور نہ عملاً کوئی اجتہاد کیا گیا ۔

۹ ۔ جو بادشاہ تلوار کے ذریعے مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے اور خون کی ندیاں بہانے کے بعد فوجی آمریت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے انہیں اجتہادات کے ذریعے "السلطان العادل" اور "ظل اللہ فی الارض" قرار دیا جاتا ۔ اس کے آمرانہ اور مستبدانہ احکام کے نفاذ اور اس کی حکومت کے استحکام کے لئے فقہ سازی کی جاتی ۔

۱۰ ۔ "مفتی بہ اقوال" کی اصطلاح وضع کی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ فقہ کے بانی

اماموں امام جعفر ، امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور ان کے بعد دوسرے اور تیسرے درجے کے فقہا کے اجتہادات میں سے ان اقوال کا انتخاب کیا جائے جو ملوکیت سے ہم آہنگ ہوں۔بادشاہ ان کی منظوری دے اور انہیں ملکی قانون کے طور پر رائج کرے اور وہ اجتہادات جو ملوکیت سے ہم آہنگ نہ ہوں انہیں اس انتخاب سے خارج کر دیا جائے ۔ کیونکہ بادشاہ ان کی منظوری نہ دے گا اور نہ وہ ملکی قانون کا درجہ حاصل کریں گے ۔

چنانچہ اس طرح کے انتخاب کو ”مفتی بہ اقوال“ کہا گیا جو بادشاہ کی منظوری کے بعد نافذ ہوئی ۔ ” مفتی بہ اقوال“ کے انتخاب میں امام جعفر ، امام ابو حنیفہ یا امام مالک ، یا امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کے علم ، فقاہت اور عظمت کو معیار نہیں بنایا گیا بلکہ معیار یہ قرار پایا کہ رائج الوقت نظام حکومت سے متصادم نہ ہوں ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ خود بادشاہ اپنے زمانے کے فقہاء کو حکم دیتے تھے کہ وہ ”مفتی بہ اقوال“ جمع کر کے فتاوی کا مجموعہ مرتب کریں ۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے دوران ” فتاوی عالمگیری“ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ان کے زمانے کے فقہاء نے تیار کیا تھا جو فقہ حنفی کے مفتی بہ اقوال پر مشتمل تھا ۔ اس طرح مختلف مسلمان ملکوں کے بادشاہوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ”مفتی بہ اقوال“ پر مبنی فتاوی کی کتابیں تیار کروائی تھیں ۔ اس کا پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایسا کام بادشاہوں کے ”مستند“ اور ”معتمد علیہ“ فقہاء انجام دیا کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ”مفتی بہ اقوال“ میں امام ابو حنیفہ کے ستر فیصد اجتہادات ”غیر مفتی بہ“ قرار پائے اور ان کے خلاف اجتہادات ”مفتی بہ اقوال“ ٹھہرے ۔ ان فقہاء کے وہ اجتہاد قبول کر لئے جاتے تھے جو نظام حکومت سے ہم آہنگ ہوں۔بقیہ کتب فقہ میں موجود رہتے تھے مگر فتوی ان پر نہیں دیا جاتا تھا ۔

ہم نے گزشتہ ادوار میں فقہ سازی کا مختصر پس منظر اس لئے بیان کیا تاکہ یہ بات واضح کی جا سکے کہ دور ملوکیت اور دور جمہوریت میں تعبیر شریعت کے طریق کار میں کیا فرق ہے ۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ دور ملوکیت میں جو

مجتہدین مطلق تھے انہیں تو سزائیں دی جاتی تھیں ۔ ان کے اجتہادات پر فتوی نہیں دیا جاتا تھا ۔ ان کے اجتہادات کو اگر وہ ملوکیت سے ہم آہنگ نہیں ہوتے تھے تو انہیں ملکی قانون کا درجہ حاصل نہ تھا۔گویا فقہ ملوکیت کے مطابق عملاً مجتہدین مطلق امت کے کام نہ آ سکے ۔ اسی طرح بعد کے ادوار میں اگر کوئی مجتہد ان تمام شرائط کو پورا کرتا تھا جو اجتہاد کے لئے مقرر تھیں مگر وہ ملوکیت کو سپریم اتھارٹی تسلیم کر چکا تھا تو ایسا مجتہد دور ملوکیت میں اجتہاد کا حق ادا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ سپریم لاء کو زیر بحث نہیں لا سکتا تھا ۔ دور جمہوریت ایسی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔اجتماعی اجتہاد کے اس دور میں مسلمان مقننین کی انفرادی سوچ بالآخر ایک اجتماعی قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ اس دور کے قانون سازوں کے پاس جتنی بھی قابلیت اور اہلیت ہوتی ہے وہ اسے بغیر کسی پابندی کے پوری آزادی کے ساتھ قانون سازی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔بقول علامہ اقبال آج کے مجتہد کو علمی و تحقیقی مواد کی فراوانی اور تفاسیر و شروح کی کثرت کے سبب اجتہاد کی زیادہ سہولتیں میسر ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتہاد کی ناممکن العمل شرائط اجتہاد کے لئے کبھی بھی مفید نہیں رہیں ۔

پارلیمنٹ کا اختیار تعبیر شریعت

جب تعبیر شریعت کا اختیار قوم کی منتخب پارلیمنٹ کے سپرد ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں صرف ارکان پارلیمنٹ ہی غور و فکر کرتے ہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ارکان پارلیمنٹ قوم کو درپیش مسائل قانون سازی کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے غور و فکر اور عقل و تدبر سے کام لیتے ہیں ۔ پارلیمنٹ کے باہر پوری قوم اپنے نمائندوں کی بحثوں کو دیکھتی اور پرکھتی ہے ۔ اپنے علم اور تجربے سے نمائندوں کی مدد کرتی ہے ۔ ہر طبقے کے فقہاء ، علماء ، اساتذہ ، وکلاء ، قضاۃ ، حکام ، عمال اور اہل علم و دانش اپنی تحقیق کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوتے ہیں ۔ منتخب نمائندوں اور قوم کی مجموعی فکر ایک خاص اسلوب میں ڈھل کر قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔اس پورے عمل کا نام

پارلیمنٹ کا اختیار تعبیر شریعت ہے۔اگر خدانخواستہ پوری قوم اپنے منتخب نمائندوں اور خود اپنی مجموعی اجتہادی صلاحیت سمیت گمراہ رہتی ہے تو ایسی قوم کے وجود کا سرے سے کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا ۔

نامزد ادارہ اور پارلیمنٹ

علامہ اقبال نے قوم کے منتخب قانون ساز ادارے کی بالا دستی کے پیش نظر کسی بھی نامزد ادارے کی مخالفت کی ہے ۔ اس مخالفت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ نامزد ہونے والے افراد اپنے نامزد کرنے والے کی منشا اور مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے ۔ ظاہر ہے کہ نامزد کرنے والے کے اپنے افکار اور نظریات ہوتے ہیں ۔ نامزدگی سے قبل وہ اپنا پورا اطمینان کر لیتا ہے کہ ایسے افراد نامزد ہوں جو اس کے افکار اور تصورات کی ترجمانی کریں اور اگر وہ اس کے خلاف عمل کریں تو انہیں بدلا جا سکے ۔ جیسا کہ وفاقی شرعی عدالت کے ایک سابق چیف جسٹس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں ایسا انتظام بھی ممکن ہے کہ تبادلے کی نوبت ہی نہ آئے ۔ لہذا نامزد ادارے کے افراد اپنے نامزد کرنے والے کے تابع بن کر رہ جاتے ہیں ۔ یہ عمل قوم کے مجموعی مفاد اور دینی مقاصد کے خلاف ہے ۔ بالخصوص اگر شریعت کی تعبیر کا اختیار نامزد افراد کو دے دیا جائے تو دین اور شریعت ان کی سوچ کے تابع بن کر رہ جاتے ہیں ۔ ایسے نامزد اداروں کی سوچ و فکر میں سوائے ان چند نامزد افراد کے قوم بحیثیت مجموعی شریک نہیں ہو سکتی جیسے وہ پارلیمنٹ کے "بلوں" کی بحثوں میں شریک ہوتی ہے ۔ یہ لوگ اپنے آپ کو خدا کے خود ساختہ نمائندے تصور کرنے لگ جاتے ہیں۔اس کا نام تھیوکریسی ہے ۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ۔ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو علامہ اقبال کا اجتہاد مبنی بر صحت معلوم ہوتا ہے جس میں انہوں نے قوم کی منتخب پارلیمنٹ پر نامزد مذہبی مشاورتی کونسل کی بالادستی کی مخالفت کی ہے ۔ اسی طرح اگر علامہ اقبال آج زندہ ہوتے تو وہ یقیناً پارلیمنٹ پر وفاقی شرعی عدالت کی بالادستی کی بھی مخالفت کرتے کیونکہ یہ بھی نامزد ادارہ ہے ۔ اس پر بھی علامہ کی رائے کا اطلاق ہوتا ہے جو انہوں نے نامزد مذہبی مشاورتی کونسل کے بارے میں ظاہر کی تھی ۔

ایسے نامزد ادارے کے بارے میں علامہ اقبال کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

"میری رائے میں یہ خطرناک انتظام ہے ۔" لہذا علامہ اقبال کی تعلیمات کے پیش نظر وفاقی شرعی عدالت کو اس کی موجودہ حیثیت میں یہ اختیار نہیں دیا جانا چاہیے کہ وہ کسی قانون کے متعلق فیصلہ دے کہ وہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں ۔ یہ اختیار قوم کی نمائندہ پارلیمنٹ کو حاصل ہے یا کسی خاص مسئلے پر ایسا اختیار سپریم کورٹ کو دیا جا سکتا ہے ۔ وہ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کی تشریح کرتی ہے ۔ قوم کے نمائندہ ادارے کو خود مختار رہنا چاہیے ۔ اس پر کسی نامزد ادارے کی بالا دستی درست نہیں پاکستانی پارلیمنٹ اقبال کے نظریات اور تصورات کی امین ہے ۔ اس کا وجود ان کے افکار کا مرہون منت ہے ۔ اس کا قومی ، تاریخی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کو فراموش نہ کرے ۔ شریعت کی تعبیرنو ان اصولوں کے مطابق کرے جو انہوں نے اس خاص مقصد کے لئے وضع کئے تھے ۔

اجتہاد کمشن کا قیام

علامہ اقبال کے اس اجتہادی کارنامے کی پوری دنیا معترف ہے کہ انہوں نے ایک جدید اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اجتہاد کیا ۔ اس کے حصول کے لئے تحریک چلائی اس میں دستور سازی کے لئے قرآن و سنت کی تعبیر نو کے اصول اجتہاد اور قواعدِ استنباط وضع کئے اور عملاً کئی مسائل پر اجتہاد کر کے قوم کی رہنمائی کی ۔ اس اعتراف کا تقاضا ہے کہ :

۱۔ علامہ کی اجتہادی تعلیمات کی ترتیب اور تدوین کے لئے ایک اجتہاد کمشن قائم کیا جائے جو ان کی تعلیمات کو دستور سازی اور قانون سازی کے نقطہ نظر سے یکجا مرتب کرے ۔ ان کے اجتہاد کے اصولوں کو مدون کرے ، ان کے قواعدِ استنباط کو ترتیب دے۔ان کی روشنی میں قانون سازی کا لائحہ عمل تیار کرے ۔ پارلیمنٹ کے رولز آف پروسیجر ، قواعد ضابطہ کار کو علامہ کے اجتہاد کے اصولوں کی رہنمائی میں از سر نو ترتیب دے ۔ وزارت انصاف اور پارلیمانی امور کے طریق قانون سازی پر نظرثانی کرے ۔ تاکہ پاکستان کی پارلیمنٹ علامہ اقبال کے

اجتہادی اصولوں کی روشنی میں اپنے قواعد ضابطہ کار کو تبدیل کرے اور اس کے ارکان کے انتخاب اور اس کی کارکردگی میں اگر کوئی خامی ہو تو اس کی نشاندہی کرے ۔ موجودہ پارلیمنٹ کو کیفیت اور معنویت دونوں طرح علامہ اقبال کے تصور کے مطابق بنایا جائے تاکہ وہ اپنے اختیار تعبیر شریعت کو صحیح طرح استعمال کر سکے ۔ ایل ایل بی ۔ ایل ایل ایم اور قانون کی دیگر ڈگریوں کے نصاب کو ان کے اصول اجتہاد کی رہبری میں دوبارہ مدون کرنے کی سفارشات تیار کرے یہ کمشن علامہ کی تعلیمات اور اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو جدید اسلامی ریاست بنانے کے لئے تجاویز بھی پیش کرے ۔

۲ ۔ علامہ اقبال نے "فقہ اسلامی کی تشکیل جدید" کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں اور ان اصولوں پر مبنی جو خاکہ تیار کیا ہے اسے مکمل کرنے کا اہتمام کیا جائے ۔ علامہ اقبال اور قائداعظم دونوں رہبران ملت کے اس عظیم اجتہادی منصوبے کی تکمیل قوم پر فرض ہے ۔

۳ ۔ علامہ اقبال کی "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" پر انگریزی کتاب کا آسان ، عام فہم اور سلیس اردو ترجمہ شائع کیا جائے ۔ مگر اس ترجمے میں علمی دیانت کو بہرصورت ملحوظ رکھا جائے ۔ جناب سید نذیر نیازی کے اردو ترجمے کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں فکری اور نظریاتی تلبیس نہیں کی گئی جو علامہ کے افکار تھے انہیں جوں کا توں بیان کرنے کی دیانتدارانہ کوشش کی گئی ہے ۔ آج مسلمان نظریاتی اور فکری انتشار کا شکار ہیں۔علامہ کی کتاب کا اردو ترجمہ اس سے مبرا ہونا ضروری ہے ۔

۴ ۔ "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" میں نئی فقہ کی تشکیل کے علاوہ دیگر اسلامی افکار کی تشکیل جدید کا اہتمام کیا جائے ۔

علامہ اقبال نے پاکستان کو ایک جدید اسلامی جمہوری ریاست بنانے کے لئے جو اجتہادی کارنامہ انجام دیا تھا اس کا تقاضا ہے کہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام پوری سنجیدگی کا مظاہرہ کریں ۔

تقریظ

جسٹس بشیر الدین (ریٹائرڈ)

جسٹس یعقوب علی خاں صاحب نے تمہید میں ، اس اہم کتاب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے ، مجھے اس سے اتفاق ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ضروری ہے کہ ہم زمانے کے ساتھ چلیں ۔ علامہ اقبال نے خاکہ دے دیا تھا کہ اسلامی ریاست کیسی ہونی چاہیے ۔ باقی رہی اس کی تکمیل' وہ وقت کے ساتھ لوگوں پر چھوڑ دی تھی ۔ جو لوگ ملک کے نمائندگان ہوں وہ لوگوں کی خواہش کے مطابق قوانین کو ڈھالیں ۔ اگر آپ نے صحیح معنوں میں اسلامی ریاست بنانی ہے ، جس کا تصور اقبال نے پیش کیا تھا تو ضروری ہے کہ نمائندہ قسم کی حکومت ہو ۔ نمائندہ حکومت وہی ہو سکتی ہے جس پر عوام کا اعتماد ہو ۔ یہ نہیں کہ میرا یا دو چار آدمیوں کا اعتماد ہو ۔ بلکہ پوری قوم کا اعتماد ہو ۔ یہ جو اجتہاد کا مسئلہ ہے ' یہ ہمیشہ سامنے آیا ہے ۔ کیا اجتہاد ہو بھی سکتا ہے ؟ اور کن امور پر ہو سکتا ہے ؟ اس پر جسٹس یعقوب علی خاں نے ڈاکٹر گورایہ صاحب کی کتاب سے مفصل حوالے پیش کرکے ثابت کر دیا ہے کہ اجتہاد ممکن ہے اور فی زمانہ اس کا اختیار پارلیمنٹ کو حاصل ہے ۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے اس پر اختلاف نہیں ۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے وہ سوچنے والی بات ہے کیونکہ قانونی امور قیاس اور اجتہاد سے طے ہوتے ہیں ۔ حالات میں تبدیلی سے اجتہاد میں تبدیلی لازمی امر ہے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ چالیس سال کی کوشش کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ، کیونکہ قوم کی نمائندہ پارلیمنٹ کو حق نہیں دیا گیا کہ وہ شریعت کی تعبیر کرے ۔ بہت سا دور تو آمریت کا گزر گیا ۔ ابتدا میں آئین ہی نہیں بن سکا تھا ۔ محض لکھنے لکھانے پر موقوف رہا کہ اسلامی حکومت ہو گی ، لیکن ٹھوس قدم نہ اٹھائے گئے ۔ اب بھی اگر ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کی اس کتاب سے استفادہ کیا جائے تو صحیح سمت میں قدم اٹھ سکتا ہے ۔ یہ کہنا کہ اجتہاد کا دروازہ

بند ہوگیا ہے اس سے تو ہمارا دین ہی جامد ہو جاتا ہے ۔ سوسائیٹی آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ سائینس کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھنا ہو گا ، ورنہ ہم دنیا میں ہر معاملے میں پیچھے رہ جائیں گے ۔ میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر گورایہ صاحب نے ہر پہلو سے اس کو سٹڈی کیا ہے ۔ پھر تجزیہ بھی کیا ہے ۔ یہ کتاب بڑا ہی تجزیاتی مطالعہ ہے ۔ جسٹس یعقوب علی خاں کے تبصرہ کے بعد یہ کتاب انتہائی نمایاں و وقیع حیثیت کی مالک ہو گئی ہے ۔ پھر یہ کہنا کہ کسی فقہ سے اختلاف ہی نہیں کر سکتے اس سے تو مسائل اور بڑھ جائیں گے ۔ مسائل پہلے ہی بہت ہیں ۔ اس سے تو ملک کا استحکام بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے ۔ ہمارے چار امام پہلے تھے اب "پانچویں" بھی اس میں داخل ہوگئے ہیں ۔ اگر سارے ملک کی نمائندہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہ دیا جائے ، صرف انہیں کو اختیار ہو تو پھر معاملہ ویسا رہ جائے گا ، جسطرح پاکستان بنتے وقت تھا ۔ ہم جہاں تھے وہیں کھڑے ہیں ۔ اس نظریے کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر گورایہ کی یہ کتاب Valueable contribution قابل قدر کارنامہ ہے ۔ مجھے جسٹس یعقوب علی خاں سے اتفاق ہے کہ جسطرح ہم سب کو اس کتاب نے متاثر کیا اسے جو بھی پڑھے گا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈاکٹر یوسف گورایہ کی اس کتاب کو عام کیا جائے ۔ خاص طور پر نوجوان طبقے میں یہ کتاب خوب پھیلنی چاہیے ۔ وہ قیام پاکستان کے بعد پیدا ہوئے ہیں' وہ اس سے بہتر رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ۔ وہ صحیح رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے بڑی بڑی باتیں کرتے پھرتے ہیں ۔ وہ اس کتاب کو پڑھیں تو وہ قائل ہو جائیں گے کہ اس ملک میں سوائے نظریہ اسلام کے کوئی نظریہ رواج نہیں پا سکتا ۔ اگر نوجوان سوشلزم کی سوچتے ہیں تو صرف اس لئے کہ انہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی ۔ اگر اس کتاب کو عام کیا جائے تو نوجوان نسل کیلئے اسے سمجھ لینا بڑا آسان ہے ۔ اس تصور کو ذھن سے بالکل خارج ہونا چاہیے کہ جو بادشاہ چاہے وہی فقہ ہے یا جو اس کی مرضی ہے وہ فقہ ہے ۔ ہمیں ایسا فقیہہ نہیں چاہیے ، نہ ایسی پارلیمنٹ جو ایسی فقہ پر اعتماد کرے ۔ اگر ذہنوں پر تالے نہ لگا دئے جاتے تو ہمارے ہاں بھی کوئی ترقی ہوتی ۔ تالے لگانے سے نہ اسلامی حکومت قائم ہو گی اور نہ کوئی ڈھانچہ بن سکے

گا ۔ ڈاکٹر گورایہ کی یہ کتاب قابل صد تحسین ہے ۔ مجھے اس سے مکمل اتفاق ہے ۔ جو لوگ اسے پڑھیں گے بے حد مفید پائیں گے ۔

محمد حنیف رامے

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کی اس کتاب میں بڑے طوفان بند ہیں یہ کتاب ایسے حالات میں سامنے آئی جب قدم قدم پر مصلوب ہونے کا اندیشہ ہے ۔ جیسے منیر نیازی نے کہا ۔

کچھ شہر دے لوگ وی ظالم سن　　کچھ مینوں مرن دا شوق وی سی

اس کی ابتدا سر سید سے ہوئی بات اقبال تک پہنچی ۔ اس وقت تک دو تین واقعات ہو چکے تھے ۔ روس میں انقلاب آچکا تھا ۔ جس سے اقبال متاثر تھے ۔ تحریک خلافت چلی ۔ اس تحریک کے حامی یکایک مصطفی کمال کے حمایتی بن کر گلیوں میں گیت گانے لگے : "غازی مصطفی کمال پاشا وے تیریاں دور بلائیں" حالانکہ اس نے خلافت ختم کر دی تھی ۔ ڈاکٹر گورایہ نے علامہ اقبال کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے ۔ یہ بڑی جرأت و ہمت کی بات ہے ۔ اس کتاب میں اقبال کے اجتہاد کے دو دائروں کا ذکر نمایاں ہے ۔ ایک تو انہوں نے علماء وقت کی مخالفت کے باوجود علیحدہ وطن کا اجتہاد کیا ، جو بڑا جرأت مندانہ تھا ۔ دوسرا اجتہاد یہ تھا کہ اب تعبیر شریعت کا کام کسی فقیہہ کا نہیں بلکہ پوری ملت اور قوم کا ہے" ۔ قوم اپنا یہ اختیار اپنے منتخب نمائیندوں کے ذریعے پارلیمنٹ میں انجام دے گی ۔ ہم سب ڈاکٹر گورایہ کی اس رائے سے متفق ہیں ۔ جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں ۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان موضوعات پر زیادہ تفصیل سے لکھیں اور استقامت و عزیمت سے ان پر سٹینڈ لیں ۔ یہ کتاب ایک بم شیل کی حیثیت رکھتی ہے ۔ جو ماہرین فن کیلئے بڑی مفید اور نوجوان نسل کیلئے رہنما ہے ۔ ضرورت ہے کہ ان موضوعات کو مزید دلائل اور مثالوں کے ساتھ بیان کیا جائے ۔ علامہ اقبال جدید فقہ کی تشکیل کا خاکہ میاں محمد شفیع صاحب کے سپرد کر گئے تھے ، جسکی تکمیل کی جائے ۔ لوگوں نے اقبال بحیثیت شاعر پر زور دیا کیونکہ اس سے ان کے مفادات کا تحفظ ہوتا تھا ، حالانکہ اقبال

بحیثیت فلسفی نے اپنے افکار کو ایک سسٹم میں ڈھالا ۔ انہیں واضح اور متعین شکل دی ۔ شاعر لمحاتی طور پر ایک چیز سے متاثر ہوتا ہے جبکہ فلسفی ٹھوس حقائق ابدی و دائمی انداز میں پیش کرتا ہے ۔ فلسفی اقبال کو بہت کم لوگوں نے پڑھا ہے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے اپنی کتاب کی ابتدا میں ثابت کیا کہ اقبال نے نہایت واضح سٹینڈ لیا کہ اب حکومتیں ریپیلیکن ہوں گی ۔ اب جمہوریت کو کوئی نہیں روک سکتا ۔ وہ جہاں بین ہی نہیں تھے دیدہ ور بھی تھے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے بھی کامیابی کے ساتھ قرآنی آیات سے اسلام کے جمہوری طرز حکومت کو پیش کیا ہے انہوں نے بڑی بات کی کہ تعبیر شریعت کیلئے اب علماء کی بجائے امت کی منتخب اسمبلی پر انحصار کیا جائے گا ۔ اللہ تمام حاکمیت کا مالک ہے ۔ زمین پر اس کی خلافت کسی ایک شخص کی نہیں ، بنی آدم کے ہاتھ ہے ۔ وہ پیپلز کے ہاتھ ہے ۔ یہ بالکل تخلیقی تصور ہے کہ زمین پر عوام کی حاکمیت ہے ۔ وہی تعبیر شریعت کے مالک ہیں ۔ البتہ عوام کی حقیقی حاکمیت کیلئے معاشی و معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلی ضروری ہے ۔ علامہ اقبال کی کتاب علم الاقتصاد کا مطالعہ بھی ضروری ہے ۔ اقبال اپنے خطوط بنام قائد اعظم میں نہرو کی سوشلزم کی بجائے اسلامی مساوات اور سوشل ڈیموکریسی کو پیش کرتے ہیں ۔ معاشی و معاشرتی ڈھانچہ بدلے بغیر اسی طرح کا اسلام آئے گا جس طرح کا اس وقت آیا ہے ۔ بظاہر سود ختم کر دیا گیا ہے ، حالانکہ سود پہلے سے زیادہ ہے ۔ زکوٰۃ کی جگہ سود نافذ ہے ۔ اگلا مسئلہ تکمیل دین کا ہے ، جو خدا ، قرآن اور رسول تک مکمل ہو گیا تھا ۔ کسی فقہ یا فرقے کو دوام بخشنے کا مطلب خدا ، قرآن اور رسول کو جھٹلانا ہے ۔ بعد کی تشریحات و تعبیرات کسی طور شریعت کا حصہ نہیں ۔ اس پر ڈاکٹر گورایہ نے جس خوبصورتی سے لکھا ہے وہ نہایت قابل قدر ہے ۔ میں ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اب تاریخ کی تقدیر عرب کی بجائے عجم کے حق میں ہے ۔ ترکی ، ایران ، پاکستان اس کے قائد ہیں البتہ ہمیں ترکی میں مصطفی کمال کی Dynamism حرکیات اور ایران میں خمینی کی fundamentalism مبادیات کی افراط و تفریط میں امتزاج پیدا کرنا ہے ۔ اقبال حرکیاتِ اسلام اور مبادیاتِ اسلام کے امتزاج کا داعی تھا ۔ پاکستان کی تقدیر یہ ہونی چاہیے کہ آزادی اور مساوات کو یکجا کیا جائے۔ سرمایہ داری

آزادی دیتی اور مساوات چھین لیتی ہے ۔ سوشلزم مساوات دیتی ہے تو آزادی گنوا بیٹھتی ہے ۔ اسلام میں اس کے درمیان امت وسطی کا تصور ہے جو اقبال نے پیش کیا ہے ۔ ہمارے لئے اقبال کے حوالے سے مبادیات اور حرکیات کے مجموعے کا ماڈل بنتا ہے ۔ اقبال جس چیز کو شریعت کہتا ہے اگر وہ روایتی اسلام ہو تو امریکہ اس کے نفاذ کیلئے فنڈز بھیج دے اور کہے اسے جلدی سے نافذ کرو۔فرقہ و فقہ پرست مذہبی جماعتیں استحصالی طاقتوں سے فنڈز لاکر روایتی اسلام کو فروغ دینے میں مصروف ہیں ۔ انہیں انقلابی اسلام سے خطرہ ہے ۔ آپ نے جب مصلوب ہونے کا راستہ اختیار کر ہی لیا ہے تو پھر تھوڑا اور قدم بڑھائیے ، اسلام و اقبال کے حوالے سے معاشی و معاشرتی ڈھانچے میں اسی زور و شور سے تبدیلیوں کی بات کیجئے ۔ میں ڈاکٹر گورایہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے جرأت و ہمت سے حقیقی اسلام کی نقاب کشائی کی ہے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے جن موضوعات پر یہ کتاب لکھی ہے ، وہ اسلام کی مستند روایات پر مبنی ہیں ۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ ان پر مزید تفصیل اور وضاحت سے لکھیں گے ۔ لوگ شاعر اقبال سے اپنے مفادات کیلئے حوالے لاتے ہیں ، مگر فلسفی اقبال کو نہیں پڑھتے ۔ اجتہاد پر بحث کے دوران مصطفی کمال کی حرکیات اور خمینی کی مبادیات کا امتزاج پیدا کرنا ہو گا ۔ پارلیمنٹ کے اختیار تعبیر شریعت کیلئے معاشی و معاشرتی ڈھانچہ بھی تبدیل کرنا ہو گا ۔

سردار محمد اقبال موکل :

ڈاکٹر گورایہ کے متعلق کہا گیا کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ کر مصلوب ہونے کا ارادہ کیا ہے ۔ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے جنت میں گھر بنانے کا امکان پیدا کر لیا ہے ۔ تعبیر شریعت کے اختیار کے ضمن میں مقننہ اور عدلیہ کے حق قانون سازی میں فرق کرنا ضروری ہے ۔ ان میں سے کس کو کس پر فوقیت ہے ۔ جسٹس یعقوب علی خاں کی یہ رائے بڑی وقیع ہے کہ قانون سازی کا حق ہر حالت میں مقننہ کا ہے ۔ عدلیہ کا کام صرف قانون کی تشریح ہے ۔ اسے قانون سازی نہیں کرنا چاہیے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے اپنی تحقیقی مہارت اور علمی

قابلیت سے علامہ اقبال کی شعری اور نثری تعلیمات کو باہم مربوط کرکے حسین امتزاج پیدا کیاہے ۔ انہوں نے مکمل اقبال کو سامنے رکھا ۔ مکمل اقبال نے جو سوچا ڈاکٹر گورایہ نے پوری دیانتداری سے اس کتاب میں پیش کر دیا ۔ اس سے مقصود اس اسلام کو پیش کرنا ہے جو عہد رسالت میں موجود تھا' جسے ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے ۔ ہم ان حالات کو واپس لانے کی آرزو کرتے ہیں ان تعلیمات کی روح سے دلچسپی نہیں رکھتے ۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ۱۴۰۰ سال پہلے جو زمانہ تھا وہ اسی حالت میں اب بھی موجود ہے یا نہیں ؟ آج دنیا کسی اور دھارے پر چل رہی ہے ۔ اگر یہ بات ہے اور دین مکمل ہے تو پھر آج ہمیں ان میں مطابقت پیدا کرنی پڑے گی ۔ یہ بات علامہ اقبال کے ذہن میں پرورش پاتی رہی ، اس بات کا اظہار انہوں نے نثر میں کیا ۔ جناب جسٹس یعقوب علی خاں صاحب نے جس طرح کتاب کی عظمت ، اہمیت اور ثقاہت ثابت کی ہے مجھے اس سے اتفاق ہے ۔ علامہ اقبال نے اپنے خیالات کا اظہار نثر میں زیادہ واضح اور صاف انداز میں کیا ۔ قرآن میں ٦٦٦٦ آیات ہیں ۔ لوگ عام طور پر صرف ۱۵۰۴ آیات سے قانونی استفادہ کرتے ہیں حالانکہ قرآن کو بحیثیت مجموعی لینے کی ضرورت ہے ۔ اس کے بغیر چارہ نہیں ۔ اس لئے علامہ اقبال نے کہا کہ اس کو اجتہاد کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے اسلام کی حرکیات کو دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے ۔ اسے مزید منجمد کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اسے ہٹا کر اسے حرکت میں لایا جا سکتا ہے یہ اہم ترین موضوع ہے ۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ مقننہ کس طرح معرض وجود میں آئے گی ۔ کن لوگوں پر مشتمل ہو گی ۔ جہاں تک پارلیمنٹ کا تعلق ہے کیا اسے واقعی سینیٹ کے طور پر ہونا چاہیے یا اسے ان لوگوں میں سے ہونا چاہیے جو ڈائریکٹ عوامی نمائندے ہوں تو کیا ان کا شریعت کی واقفیت رکھنا ضروری ہے یا نہیں ؟ ان اہم مسائل کی خاطر مسلمانوں میں سے مصلوب ہونے اور جنت میں گھر بنانے کیلئے گورایہ میدان عمل میں آئے ہیں ۔ میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے نہایت دیانتداری سے علامہ اقبال کے افکار کو پیش کیا ہے ۔ آپ اس الزام سے پوری طرح بری الذمہ ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال کے افکار کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا ۔ میں انہیں پھر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں

نے آیندہ تحقیق کیلئے نئے نکات کی طرف رہنمائی کی ہے ۔ پارلیمنٹ اور کورٹ ، قانون ساز ادارے اور عدالت کو قانون سازی میں کس کو کس پر فوقیت حاصل ہو گی ؟ کیا تعبیر شریعت کلی طور پر پارلیمنٹ ہی کرے گی ؟ یا اس تعبیر میں کچھ حق یا کچھ حصہ عدالت کو بھی دیا جائے گا ۔ ڈاکٹر گورایہ نے اپنی آراء کا اظہار اس کتاب میں کیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں یہ ایک بہت ہی اچھی کوشش ہے ۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ پارلیمنٹ اور عدالت میں کوئی توازن قائم کیا جا سکے ۔ آج تک یہی کہا جاتا رہا ہے کہ عدالت سپریم ہے ۔ پارلیمنٹ عدالت کے تابع ہے ۔ ہمیشہ سے زور دار طریقے سے یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ جب کوئی ایک قانون بن جاتا ہے ، پارلیمنٹ قانون بنا دیتی ہے تو اس وقت اس قانون کی تشریح عدالت کرتی ہے ۔ اس تشریح کو قانون کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے ۔ عدالت جو تشریح کر دیتی ہے وہ اس قانون کا ایک جزو بن جاتا ہے ۔ ایک ایسا حصہ بن جاتا ہے جسے جب تک پھر کوئی نیا جج یا پھر اس کے اوپر کی عدالت ختم نہ کر دے ، تب تک وہ قانون ہے ، یا پھر پارلیمنٹ اس قانون کو ہی تبدیل نہ کر دے ، یا اس میں ایسی ترامیم نہ لائے ، جو ترامیم کہ قانون جس طرح اس کی تعبیر کی گئی ہے اس کے مطابق نہ ہو ، تو اس طرح پارلیمنٹ اور عدالت میں امتزاج پیدا کرنے کی ضرورت ہو گی ۔ خاص طور پر اجتہاد کا اختیار صرف پارلیمنٹ کو حاصل ہو گا ۔ پارلیمنٹ کتاب و سنت کی تعبیر کرتی ہے جس کی بنیاد پر وہ ایک قانون پیش کر دیتی ہے ۔ اب قانون میں کئی ابہام آ سکتے ہیں ۔ اس قانون کے اطلاق سے جب کسی کے حقوق یا کسی کی Liabilities پر زد پڑتی ہے تو وہ کہاں جائیں گے ۔ عدالت کی جو تشریح ہو گی اسے کیا فائنل درجہ حاصل ہو گا ۔ اسی طرح پارلیمنٹ کے ارکان کی اہلیت کا مسئلہ بھی ہے ۔ کیا آئین میں ان کی اہلیت کیلئے کوئی فرق رکھنا پڑے گا ۔ یہ لوگ مختلف ہوں گے یا پارلیمنٹ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑے گا جو کہ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ اس میں دو قسم کے لوگ آئیں ایک تو عام لوگوں میں سے منتخب ہوں اور ایک علماء کی کیٹگری کہلائے ۔ میں سمجھتا ہوں شاید ہم اس کے متحمل نہ ہو سکیں کیونکہ پھر یہ دو کیٹگری سابقہ مجلس شوری کی طرح آپس میں

لڑتی رہیں گی ۔ اس میں دو کیٹگری آمنے سامنے آگئی تھیں ۔ میاں محمد شفیع (م ۔ ش) اور جسٹس بشیر الدین اس میں موجود تھے ، جو اپنے آپ کو ایک خاص طبقہ خیال کرتے تھے ۔ وہ ایک طرف ہو گئے اور دوسرے دوسری طرف ہو گئے تھے ۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ تین قسم کی کیٹگری سامنے آگئی تھیں تو وہ ایک اچھی صورت حال نہ تھی ۔ آیندہ ایسی حالت پیش آ جانے کی صورت میں حاکم وقت اسے سوچیں ۔ اجتہاد کا بند دروازہ کھولنے کیلئے جناب ڈاکٹر گورایہ کی یہ انتہائی کامیاب کوشش ہے انہیں انشاء اللہ کوئی مصلوب نہیں کریگا ۔ سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی ان کی کاوشوں میں اور زیادہ برکت ڈالے اور ان کی نگارشات زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کام آئیں ۔

محمود مرزا

ہر عہد کی اپنی روح ہوتی ہے ۔ یہ عہد جمہور کا ہے ۔ اس کا انداز فکر سائینسی ہے ۔ اس کا مطالبہ انصاف ہے ۔ اگر شہنشاہی دور کی تعبیر کردہ شریعت ، جمہور کی طاقت کے مد مقابل آئے گی ، اور ایسا انداز فکر پیش کرے کی جو غیر سائنسی یا انصاف کے تقاضوں سے متصادم ہو ، تو وہ جدید دور سے بے ربط ہوگی ۔ علامہ اقبال نے مروّجہ دور کی روح کو جدید علوم حاصل کرکے پہچان لیا تھا اور اسے انگریزی لیکچرز میں مربوط انداز میں پیش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر گورایہ نے اپنی کتاب میں اس کی صحیح ترجمانی کی ہے ۔ قانون سازی کا اختیار پارلیمان کے اوپر کسی عدالت یا کونسل کے سپرد کرنا جمہوری اصول کے خلاف ہے ۔ یہ اپنے عہد سے بدعہدی ہے ۔

میاں محمد شفیع (م ۔ ش)

جناب جسٹس یعقوب علی خاں نے اس کتاب کے بارے میں تمہید میں جو کچھ کہا مجھے اس سے مکمل طور پر اتفاق ہے ۔ میں مرزا صاحب کی عالمانہ رائے کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ۔ البتہ ایک بات کی طرف توجہ فرمائیے ۔ قرآن آپ کو ایک مامور من اللہ امت قرار دیتا ہے "کنتم خیر امت

اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر" یعنی آپ اس بات پر مامور ہیں کہ جو کچھ قرآن و سنت کے تقاضے ہیں ، آپ انہیں عملی طور پر جاری وساری کریں گے ۔ ہماری جمہوریت کیا چیز ہے ۔ ماڈرن جمہوریت جس کی ابتدا روسو اور ہابس کے سوشل کنٹریکٹ سے ہوئی تھی

"Right to elect your leaders and right

to differ with them"

اپنے لیڈروں کے انتخاب کا حق اور ان سے اختلاف کا حق" یہ ڈیمو کریسی کی تعریف ہے ۔ قرآن کہتا ہے "واطیعواللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" خدا اور رسولؐ تو معلوم ہیں مگر "اولی الامر منکم" وہ ضیاء الحق ہے، شیخ ہے ، چیف جسٹس ہیں کون ہے ؟ اس کا فیصلہ کون کرے گا ؟ "منکم" بہت واضح بات ہے ۔ تم میں سے یعنی امت فیصلہ کرے گی ۔ ہمارا "اولوا الامر" کون ہے جو مطاع ہے ، جو قابل اطاعت امیر بنے گا ۔ وہ ہوگا جس پر امت کی تصدیق کی چھاپ ہوگی ۔ جسے ہم کہیں گے

He is our elected leader. This is election of

merit.

پھر اختلاف کرنے کے حق کا مسئلہ ہے ۔ "شاورھم فی الامر" ، اور "وامرھم شوری بینھم" مشاورت تقلید نہیں کہ امیر کو ویٹو کا اختیار حاصل ہو ۔ مشاورت میں امیر سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور دلیل کا حق ہے کہ

اختلاف کیوں ہے ۔ اسلامی سیاست میں امت انتخابات کے ذریعے لیڈر منتخب کرے ۔ پھر اپنے لیڈروں سے اختلاف کرے جب لیڈر غلطی کرے تو آپ اس سے اختلاف کریں ۔ جب لیڈر اختلاف رائے کا حق نہ دے تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس سے علیحدہ ہو جائیں ۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اقبال کا ٹائم کا تصور کیا تھا ۔ اقبال فرماتے تھے اسلام میں Revivalism احیاء کا تصور نہیں ۔ اسلام میں پروگریسو فارورڈ موومنٹ ہے ۔ احیاء نہیں بلکہ تخلیق جدید کریں گے ۔ اسلام میں Recreation نہیں یہ ہندو کا تصور ٹائم ہے کہ گول چکر ہے ، جہاں سے چلے تھے واپس آجاؤ ۔ اقبال نے مجھے

پوچھا تمہاری عمر کیا ہے؟ میں نے بتایا ۲۱ ، ۲۲ سال ہو گی ، انہوں نے کہا تم زندگی میں بہت سی تبدیلیاں دیکھو گے ۔ زمان و مکان میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں ، ان کے بارے میں ان کا دماغ بالکل صاف تھا کہ کیا ہونے والا ہے ۔ وہ کہتے تھے کہ قرآن اور نبی اکرم کی زندگی میں یہ باتیں واضح طور پر موجود ہیں ۔ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان پل کے طور پر کھڑے ہیں ۔ ان کا وحی کا تصور قدیم ہے مگر وحی کی جو کوالٹی ہے وہ بالکل جدید ہے ۔ علامہ اقبال فرماتے تھے کہ تین ایم Mysticism, Mullaism, Monarchy ملوکیت ، ملّائیت ، مشائخت مسلمان کے اصل دشمن ہیں ۔ وہ ایک ایسی امت چاہتے تھے جو اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دے ۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کی یہ کتاب بہت جامع تصنیف ہے ۔ علامہ اقبال کا اصل فکر دو مستقل کتابوں میں موجود ہے ایک خطبات اور دوسری جاوید نامہ ہیں ۔ دونوں کا عہد ایک ہے مگر ہماری بد قسمتی یہ رہی ہے کہ ان دونوں کتابوں کو نصاب سے خارج رکھا گیا ہے ۔ اقبال کی وہ چیزیں پڑھائی گئیں جو یقیناً قابل قدر تھیں ، مگر ان کی فکر کا منتہائے نظر نہ تھیں ۔ مجھے ڈاکٹر یوسف گورایہ کی اس عظمت اور عزیمت پر پہلی دفعہ رشک آ رہا ہے کہ انہوں نے ایسے موضوعات پر کتاب لکھی ہے جہاں مصلوب ہونے کی قدم قدم پر گنجائش موجود ہے ۔ حیات جاوید اسی راستے میں ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے چلتے چلتے یہ ایک جملہ اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جو اس پوری صورت حال کا نقاب کشا ہے "۔ وہ لکھتے ہیں کہ " ۱۴۰۰ سال کی تاریخ میں اجتہاد کے نتیجے میں صرف ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی وہ پاکستان ہے جو مجتہد اقبال کے اجتہاد کا نتیجہ ہے "۔ گزشتہ فقہ میں صرف اپنے عہد تک دیکھنے کا رجحان غالب رہا ہے ۔ اس میں مستقبلیات کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ۔ یہ چیز اجتہاد کے جاری رہنے کا جواز پیدا کرتی ہے ۔ ہماری فقہ ان ادوار میں مرتب ہوئی جن میں ملوکیت پورے طور پر چھائی ہوئی تھی ۔ عہد ملوکیت سے پہلے امت کسی فقہ یا فرقے میں تقسیم نہ تھی ۔

اس کے بعد امت اختلافات کا شکار ہو گئی ۔ بقول اقبال:

اے کشتۂ سلطانی و ملّائی و پیری

یہ اسی ملوکیت اور فقہ کا نتیجہ ہے"، علامہ اقبال مکمل مجتہد ہیں ۔ انہوں نے روح عصر کے تقاضے کا سوال ہی نہیں اٹھایا ، بلکہ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ اور تحریک پاکستان پر اجتہاد کرکے پاکستان کی ریاست کا عملاً ثبوت بھی فراہم کر دیا "۔ پاکستان کی تاریخ میں ڈاکٹر گورایہ کی یہ پہلی کامیاب کوشش ہے اور خطبات اقبال پر سب سے تحقیقی ، مفید اور علمی کتاب ہے ۔ اس میں سعید حلیم پاشا اور ٹرکش پارلیمنٹ کے ریفرنس سے خلافت کے ادارے کو پارلیمنٹ کے ادارے میں مدغم کرنے کو کامیاب اجتہاد قرار دیا گیا ہے ۔ اسلامی ریاست کی تشکیل نو میں فیصل قوت آمریت کی بجائے پارلیمنٹ ہوگی جو پوری امت کے استصواب رائے سے سامنے آئے گی ۔ پارلیمنٹ اجتہاد کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کیلئے طریق کار پر غور کرے ، مشاورت تو پیغمبر اسلام کیلئے بھی ناگزیر تھی ۔ امر قانونی میں آپ نے مشاورت کی ۔ ڈاکٹر گورایہ صاحب نے امر واقعی اور امر قانونی پر بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے ۔ ایک مدت بعد خطباتِ اقبال کے حوالے سے نہایت کامیاب کتاب سامنے آئی ہے ۔ جس پر ڈاکٹر گورایہ دلی مبارکباد کے مستحق ہیں ۔

تمہید اور تقریظ اس موضوع پر مصنف کی انگریزی کتاب

'Allama Iqbal and the authority to interpret

Shariah in a Modern Islamic State'

مطبوعہ ۱۹۸۷ء شیخ اشرف ، ایبک روڈ لاہور پر منعقدہ ایک علمی مذاکرے سے بشکریہ روزنامہ نوائے وقت سے لی گئی ہے ۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور ۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر

اقبال
اور
اجتہاد

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

GI
297.31
م 605
29929